سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی عظیم یادگار

عیدِ قربان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم یادگار ہے۔اس دن قربانی کرنا بہت زیادہ اجر وثواب کا عمل ہے۔

عید کی نماز بغیر کچھ کھائے ادا کریں، نمازِ عید کے بعد کچھ کھانا چاہیے اور قربانی کے جانور کا گوشت کھانا مسنون عمل ہے۔نماز کی طرف جاتے ہوئے یہ تکبیریں پڑھیں:

”اَللّٰہُ أَکْبَرُ ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ ، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ ، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ .“

عشرۂ ذوالحجہ کے فضائل واعمال

(عثمان جاوید، الہ آباد، قصور)

بسم الله والحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله ، أما بعد! اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اللہ کی بندگی میں لگا رہے اور ہر لمحہ اس کی رضا کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔ لیکن چونکہ انسان غفلت وکوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بعض وقت کو افضل ٹھہرایا تا کہ وہ ان لمحات میں زیادہ سے زیادہ اعمالِ صالحہ کر کے اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کر سکے اور زیادہ سے زیادہ اجر وثواب کا مستحق بن سکے۔ ان مبارک اور افضل ایام میں ماہِ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن بھی ہیں۔ اس عشرے کو بہت زیادہ فضیلت عطا کی گئی ہے۔

❀......ان دس دنوں میں کیا جانے والا ہر اچھا عمل دوسرے دنوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا اور محبوب ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما من أيام العمل الصالح فيهن أحب إلى الله من هذه الأيام العشرة .)) قالوا: يا رسول الله! ولا الجهاد في سبيل الله؟ قال: ((ولا الجهاد في سبيل الله إلا رجل خرج بنفسه وماله فلم يرجع بشيء .)) (صحيح بخاري)

''ان دس دنوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں دوسرے دنوں میں کیے ہوئے اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا دوسرے دنوں میں کیا ہوا جہاد بھی ان اعمال سے افضل نہیں؟ فرمایا: ''ہاں، جہاد فی سبیل اللہ بھی ان سے افضل نہیں سوائے اس جہاد کے جس میں مجاہد کی جان اور مال دونوں قربان ہو جائیں۔''

❀......ان ایام کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ انھی میں سے ایک دن یوم عرفہ ہے۔ یہ وہ دن ہے جس دن دینِ اسلام کی تکمیل ہوئی۔ سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ان سے کہا:

"يا أمير المؤمنين! آية في كتابكم تقرءونها لو علينا معشر اليهود نزلت لاتخذنا ذلك اليوم عيدا ."

''اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک ایسی آیت ہے اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔''

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی نے کہا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة : ٣]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم پر جس دن اور جس مقام پر یہ آیت نازل ہوئی ہم اس سے آگاہ ہیں یہ یومِ عرفہ اور جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ (مسند احمد)

اس دن کی فضیلت کے بارے امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما من يوم أكثر إن يعتق الله فيه عبدا من النار من يوم عرفة .)) (صحيح مسلم)

''اللہ تعالیٰ عرفات کے دن سب سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد فرماتے ہیں۔''

(باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام
لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

02 ذوالحجہ 1433ھ جمعۃ المبارک 19 تا 25 اکتوبر 2012ء

شمارہ 41 جلد 64

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

جینے کا ڈھنگ

ملک عصمت اللہ

بازاروں میں رونق، گلیوں میں چہل پہل تھی۔ لوگ زرق برق لباس پہنے اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ کوئی کھیل تماشے میں مصروف تھا تو کوئی محفلِ موسیقی سجائے بیٹھا تھا۔ کہیں نرد وشطرنج کی بازیاں لگ رہی تھیں تو کہیں شراب کے دور چل رہے تھے اور جام پہ جام لنڈھائے جا رہے تھے۔ گھروں سے اچھے اچھے کھانوں کی خوش بوئیں اٹھ رہی تھیں جو گزرنے والوں کے ذوقِ خورونوش کو ابھار رہی تھیں اور ان کی اشتہا میں اضافے کا موجب بن رہی تھیں۔

ایک سال میں دوسری بار ایسا ہوا تو دریافت کیا گیا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ہم جاہلیت میں ان دنوں میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے جنھیں لوگ اب بھی جاری وساری رکھے ہوئے ہیں۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد ارشاد ہوا: ''اللہ تعالیٰ نے ان دنوں کو دو بہترین دنوں سے تبدیل کر دیا ہے اور وہ ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔''

قوموں کے تہوار دراصل ان کے عقائد وتصورات اور ان کی تاریخی روایات کے عکاس ہوا کرتے ہیں۔ اہل مدینہ جو دو تہوار منایا کرتے تھے ظاہر ہے وہ ان کے عقائد وتصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تہواروں کو ختم کر کے دو نئے تہوار...... عید الفطر اور عید الاضحیٰ...... مقرر کر دیے۔ ظاہر ہے کہ ان تہواروں کو اسلامی عقائد وتصورات اور اصولِ حیات کا مظہر ہونا چاہیے تھا اور ہیں۔ ان دو عیدوں کے علاوہ تیسری یا چوتھی عید کا کوئی تصور نہیں جو کوئی ان کے علاوہ عید مناتا ہے وہ اسلام کو ناقص تصور کرتا اور بدعت کی ایجاد کا موجب بنتا ہے جو سراسر گمراہی ہے۔

اولین مسئلہ یہ تھا کہ عیدین کے ایام کا تعین کیسے کیا جائے؟ اس سلسلے میں کئی آپشنز ہو سکتے تھے۔ ایک سال کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ہر چھ ماہ بعد عیدین کا تقرر کیا جاتا۔ دنیا میں کئی اہم واقعات ہو گزرے تھے۔ ان میں سے کوئی سے دو واقعات کا انتخاب کر کے عیدین کے ایام کا تعین کیا جاتا۔ بڑی بڑی شخصیات پیدا ہوئیں جنھوں نے عظیم کارنامے سرانجام دیے۔ ان میں سے دو افراد کی تاریخ پیدائش کو عیدین کی بنیاد بنایا جاتا جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے دن کو عید قرار دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کس کی تاریخ پیدائش بنیاد بن سکتی تھی لیکن ایسا نہیں کیا گیا کیونکہ یہ سب آپشنز اسلامی اصولوں اور مسلمانوں کے قومی مزاج سے ہم آہنگ نہ تھے، لہٰذا اِن سب آپشنز کو یکسر مسترد کر کے ایک نیا طریقہ اختیار کیا گیا اور وہ تھا:

((الفطر يوم يفطر الناس والأضحى يوم يضحى الناس .)) (ترمذي)

''جس روز لوگ رمضان کے روزے پورے کر کے آخری روزہ افطار کرتے ہیں، اگلا دن عید کا ہے۔ اور جس دن لوگ قربانیاں کرتے ہیں (۱۰ ذوالحج) وہ عید کا دن ہے۔''

عید الفطر سے پہلے ماہِ صیام میں امت مسلمہ کو زبردست مجاہدے سے گزارا جاتا ہے۔ طلوعِ فجر سے غروب آفتاب تک بھوک اور پیاس کا

برداشت کرنا، رات کو کھڑے ہو کر پہروں قیام کرنا اور قرآن کا سننا، سحری کے وقت جاگنا، دن کو قرآنِ مجید کی گھنٹوں تلاوت کرنا، چوبیس گھنٹے نفس کو رنگا رنگ ترغیبات سے روکنا وغیرہ اس مجاہدے کے ضروری لوازمات میں سے ہیں۔ اس مجاہدے کے اختتام کو عید کا دن قرار دیا کیونکہ اس دن اپنے رب سے اپنی عبادت واِطاعت کا انعام واِکرام وصول کرنے کا وقت ہوتا ہے اور پروردگار قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا ہے کہ آج جو مجھ سے مانگو گے دوں گا، تمھارے گناہوں کو بخش دوں گا اور تمھاری بُرائیوں کو نیکیوں میں بدل دوں گا۔ لہٰذا مسلمان آئیں اور دو رکعت نماز ادا کر کے اپنے رب کا شکر ادا کریں کہ اس نے اس مجاہدے سے کامیابی سے گزرنے کی ہمت، توفیق بخشی اور اپنے انعامات واکرامات کا مستحق ٹھہرایا۔ کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو ان انعامات واکرامات سے محروم رہنے کے سو حیلے اور بہانے تراشتے ہیں اور اپنے آپ کو جبرئیل علیہ السلام کی بددعا کا مستحق بناتے ہیں۔

دوسری عید کے لیے ۱۰ ذوالحج کو عید کا دن قرار دیا جس روز حجاج کرام وقوف عرفات کے بعد مزدلفہ میں رات گزار کر منیٰ میں واپس آ کر رمیِ جمار کرتے ہیں اور اللہ کے حضور اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں جو یادگار ہیں اس قربانی کی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑھاپے میں ملنے والے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کے لیے اس کے گلے پر چھری چلا دی تھی۔ چشم فلک نے تسلیم ورضا کا ایسا مظاہرہ بھلا کہاں دیکھا تھا۔ اللہ نے ان کی اس ادا کو وہ شرف قبولیت بخشا کہ امت مسلمہ کو اس رسم کے ادا کرنے کا حکم دے دیا۔ اس سے بڑھ کر اور کون سا دن ہو سکتا تھا جسے عید قرار دیا جاتا، سو اللہ نے اس دن کو عید کا دن قرار دے دیا۔

اللہ کی کبریائی کو تسلیم کرنا اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا ایک مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہے، اس لیے حکم ہوا کہ نماز کے لیے عید گاہ کی طرف چلو تو اللہ کی کبریائی اور اس کی توحید کا اعلان کرتے چلو: الله أكبر ، الله أكبر ، لا إله إلا الله والله أكبر ، الله أكبر ولله الحمد . ایک راستے سے جاؤ تو دوسرے راستے سے واپس آؤ تاکہ زمین وآسمان کے درمیان فضا ذکر الٰہی سے بھر جائے۔ تکبیریں بلند آواز سے پڑھو تا کہ دنیا کا گوشہ گوشہ اللہ کی کبریائی اور توحید کے نعروں سے گونج اٹھے۔ دنیا کا ہر عقل کا اندھا بھی یہ جان لے کہ مسلمان کا اصولِ حیات کیا ہے اور یہ بھی اسے معلوم ہو جائے کہ مسلمان ایک اللہ کے سوا کسی کی کبریائی کو تسلیم نہیں کرتا۔ اللہ کے سوا کسی کے سامنے جھکتا ہے نہ کسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مگر دنیا کو مسلمانوں کے اس اعلان پر یقین کیسے آئے۔ دنیا کو یقین تب ہی تو آئے گا جب ان کا اپنا یقین کامل ہوگا۔ ان کا ایمان کامل ہوگا تو دنیا کو یقین بھی آئے گا اور کسی مائی کے لال کو یہ ہمت نہیں ہوگی کہ وہ اسے ڈکٹیشن دے یا اسے اپنی انگلیوں پہ نچائے۔

اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے بعد اللہ کے حضور اپنی قربانی پیش کرے اور اپنی زبان سے اقرار کرے کہ وہ مشرکین میں سے ہرگز ہرگز نہیں اور یہ کہ اس کی نماز، اس کی قربانی، اس کی زندگی اور اس کا مرنا سب رب العالمین کے لیے ہے۔ اس میں بھی اس کے لیے یہ درس ہے کہ وہ زندہ رہنے کا ڈھنگ نماز سے سیکھے اور مرنے کا طریقہ اپنی قربانی سے۔

درس قرآن

قسط نمبر ۴۴

تفسیر سورۂ یٰسٓ

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً﴾ بس ایک چیخ اور ایک آوازہ ہوگا۔ جس طرح ہم "کن" کہہ کر جو چاہتے ہیں وجود میں لے آتے ہیں، اس کے بننے میں کوئی تاخیر نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک چیخ سے قیامت برپا کر دیں گے۔ اسے کسی بڑے سے بڑے کام کے لیے دوسری بار حکم دینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ دوسری بات تو حکم وہ کرتا ہے جو عاجز ہو اور اس کی کوئی سنی نہ جائے مگر وہ تو قادر مطلق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَاۤ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ ﴾ [القمر: ۵۰]

"اور ہمارا حکم تو صرف ایک بار ہوتا ہے جیسے آنکھ کی ایک جھپک۔"

امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ﴿صَیۡحَۃً﴾ میں "ۃ" تانیث کی ہے جو یہاں مبالغے کے لیے آئی ہے، یعنی بڑی چیخ جسے زمین وآسمان میں بسنے والے سبھی سنیں گے۔ بلکہ قیامت کے جس قدر نام ہیں سبھی کے آخر میں "ۃ" مبالغے کے لیے ہے، جیسے: القیامۃ (بہت ثابت شدہ حقیقت)، القارعۃ، الطامۃ، الحسرۃ، الواقعۃ، الحاقۃ، الصاخۃ، الغاشیۃ.

﴿صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً﴾ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بس ایک بلند چیخ وچنگھاڑ اور ڈانٹ ہوگی۔ یوں نہیں کہ فرشتہ کوئی مخصوص الفاظ کہے گا، جیسا کہ بعض تفاسیر میں ذکر ہوا ہے۔ ہم پہلے سورۂ قٓ کی تفسیر (ص:۱۹۲) میں ذکر کر آئے ہیں۔

﴿فَاِذَا ہُمۡ جَمِیۡعٌ لَّدَیۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ﴾ سخت آواز کے بعد آناً فاناً سب کے سب، چھوٹے بڑے، عابد وزاہد اور معبودانِ باطلہ، امیر وغریب ہمارے پاس جمع کیے جائیں گے۔ ﴿مُحۡضَرُوۡنَ﴾ میں حاضرین کی بے بسی کی تصویر ہے، جیسے مجرموں کو عدالت میں پیش کیا جاتا ہے اسی طرح یہ بھی میری عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ اس کی کچھ تفصیل سورۂ قٓ (۲۱،۲۳) میں بیان ہوئی ہے۔

﴿فَالۡیَوۡمَ لَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ﴾ آج کسی جان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ مومن اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کے نتیجے میں کامیابی حاصل کریں گے، کوئی نیکی ان کی ضائع نہیں ہوگی، جیسے فرمایا:

﴿وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَہُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلۡمًا وَّلَا ہَضۡمًا ﴾ [طٰہٰ: ۱۱۲]

"اور جو شخص اچھی قسم کے اعمال کرے اور وہ مومن ہو تو وہ نہ کسی بے انصافی سے ڈرے گا اور نہ حق تلفی سے۔"

نہ ان کی حسنات اور ان کے اجر میں کمی کی جائے گی، نہ ہی ان کی سیئات میں اضافہ ہوگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ اچھے اعمال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہوں:

﴿وَاِنۡ تُطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَا یَلِتۡکُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِکُمۡ شَیۡئًا ﴾ [الحجرات: ۱۴]

"اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو گے تو وہ تمھیں تمھارے اعمال میں کچھ کمی نہیں کرے گا۔"

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَلَا تُبۡطِلُوۡۤا اَعۡمَالَکُمۡ ﴾ [محمد: ۳۳]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور اس رسول ﷺ کا حکم مانو اور اپنے اعمال باطل مت کرو۔"

کیونکہ جو اعمالِ حسنہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں اور آپ ﷺ کی سنت کے مطابق نہیں ہوگا وہ مردود اور باطل

ہے، چنانچہ صدیقۂ کائنات حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد.)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٢٦٩٧)

''جس نے ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالی جو اس میں سے نہیں وہ مردود ہے۔''

اسی طرح کفر وشرک ایسا بُرا عمل ہے کہ اس سے تمام حسنات برباد ہوجاتی ہیں اور قیامت کے روز ان کے تمام اچھے کام بے کار ثابت ہوں گے:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَo﴾ [هود: ١٦]

''یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہوگیا جو کچھ انھوں نے اس (دنیا) میں کیا اور بے کار ہے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔''

یہی بات اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ المائدہ (آیت:۵) میں بھی فرمائی ہے۔ قیامت کے دن ہر کوئی اپنا عمل دیکھ لے گا:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗo وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗo﴾ [الزلزال: ٧، ٨]

''جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جو شخص ایک ذرہ برابر بُرائی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔''

کافر ومشرک جن کو نیکیاں سمجھتا ہے وہ قیامت کے روز انھیں دیکھے گا مگر وزنِ اعمال میں ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو ایمان کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا ہے اس کی حسنات بھی برباد ہوجائیں گی عام انسان تو کجا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام سے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَo﴾ [الزمر: ٦٥]

''اور بلاشبہ یقیناً تیری طرف وحی کی گئی اور ان لوگوں کی طرف بھی جو تجھ سے پہلے تھے کہ بلاشبہ اگر تُو نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہوجائے گا اور تُو ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہوجائے گا۔''

لہٰذا مومن سے ظلم کی نفی تو یہ کہ اس کے تمام اعمال کا اسے پورا پورا اجر ملے گا، کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا، جیسے فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَo﴾ [النحل: ٩٧]

''جو بھی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یقیناً ہم اسے ضرور زندگی بخشیں گے پاکیزہ زندگی اور یقیناً ہم انھیں ان کا اجر ضرور بدلے میں دیں گے ان بہترین اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے۔''

اور کافر سے ظلم کی نفی کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ وہ کریں گے اسی کی سزا انھیں ملے گی، یوں نہیں کہ ان کی نیکیوں کے مطابق کچھ اجر وثواب بھی انھیں ملے گا کیونکہ ان کے کفر وشرک کی وجہ سے ان کی تمام حسنات بے وزن اور برباد ہوجائیں گی۔

''ظلم'' کے معنی ہیں: ''وضع الشيء غير محله.'' ''کسی چیز کا اس کے مقام ومحل کے علاوہ کسی اور جگہ رکھنا۔'' گویا جس کسی نے دنیا میں اپنے آپ کو جس مقام پر رکھا ہے وہی مقام آخرت میں ملے گا۔ اگر دنیا میں مومنوں کا ساتھی رہا ہے تو آج بھی انھی کے ساتھ ہوگا اور جس نے کفار کو ساتھی بنایا آج بھی انھی کے ساتھ رہے گا، جیسے فرمایا:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًاo﴾ [النساء: ٦٩]

''اور جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔''

درسِ حدیث

تميمة الصبي في ترجمة الأربعين من أحاديث النبي

بچوں کے لیے چالیس جامع احادیث مبارکہ

مؤلف: نواب سیّد محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
تنقیح وتسہیل: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

۱۶۔ قاتل وارث نہیں ہوگا:

((القاتل لا يرث .)) (رواه الترمذي)

یعنی قاتل اپنے مورث کا کہ جب قتل موجبِ قصاص یا کفارہ ہو، وارث نہیں ہوگا۔

فائدہ: قتل کی پانچ قسمیں ہیں: ۱: قتل عمد، ۲: شبہ عمد، ۳: قتل خطا، ۴: شبہ خطا، ۵: قتل بہ سبب۔

① **قتل عمد:** امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ ایسے ہتھیار سے کسی سے لڑے کہ جس کی دھار سے کسی کو کاٹا جا سکے، جیسے: تیز لکڑی یا نوک دار پتھر وغیرہ اور قصداً کسی کو مار ڈالے۔

صاحبین (امام محمد اور قاضی ابو یوسف) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قتل عمد ایسی چیز سے قتل کرنا ہے کہ مقتول کا بدن اس کی طاقت نہ رکھے۔

حنفیہ کے نزدیک قتل عمد صرف موجب قصاص ہے بہ خلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے کہ ان کے نزدیک مقتول کے ولی کو قصاص اور دیت میں اختیار ہے اور کفارہ واجب ہے۔

② **قتل شبہ عمد:** یہ ہے کہ لاٹھی یا کوڑے یا چھوٹے پتھر سے عمداً مارے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بڑے پتھر اور بڑی لکڑی سے مارنا بھی شبہ عمد میں داخل ہے۔ اور اس قتل میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور دیت مغلظہ اس کی عاقلہ پر لازم آتی ہے۔ اس میں قصاص نہیں ہوتا۔

③ **قتل خطا:** دو طرح پر ہوتا ہے: ① ایک تو خطا فی القصد، مثلاً: ایک آدمی پر اس گمان سے تیر پھینکا کہ کوئی شکار ہے دراں حال کہ تھا وہ آدمی۔ یا اس گمان سے (تیر پھینکا) کہ وہ حربی ہے حالانکہ وہ مسلمان تھا۔ ② دوسرے خطا فی الفعل، مثلاً: نشانے پر تیر مارا لیکن وہ تیر چوک کر کسی آدمی کو جا لگا۔ ان دونوں صورتوں میں کفارہ قاتل پر اور دیت اُس کی عاقلہ پر واجب ہے۔

④ **قتل شبہ خطا:** (یا قائم مقام خطا) یہ ہے کہ کوئی سویا ہوا مرد کسی آدمی پر گر پڑا، اور وہ آدمی مر گیا۔ اس صورت میں قاتل پر کفارہ اور عاقلہ پر دیت واجب ہے قتل خطا کے حکم کی طرح۔

حنفیہ کے نزدیک ان سب (مذکورہ) صورتوں میں قاتل ارث (وارث ہونے) سے محروم ہو جاتا ہے اگر یہ قتل ناحق ہو۔ اور اگر قتل بہ حق ہو تو ارث سے محروم نہیں ہوتا، مثلاً: کسی شخص نے اپنے مورث کو قصاص یا حد شرعی میں قتل کر دیا یا اپنے نفس سے دفع کرنے کی غرض سے قتل کیا بہ خلاف امام مالک کے کہ ان کے نزدیک قتل خطا قاتل کو ارث سے محروم نہیں کرتا۔ اور اسی طرح جس قاتل عادل نے اپنے مورث باغی کو قتل کیا وہ محروم نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح اس کے برعکس بہ خلاف امام ابو یوسف کے کہ ان کے نزدیک محروم ہوتا ہے۔

⑤ **قتل بہ سبب:** یہ ہے کہ مثلاً کسی نے اپنی غیر ملکیت والی جگہ میں کنواں کھدوایا یا پتھر رکھا، اس میں کوئی آدمی اس کنوئیں یا پتھر کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک عاقلہ پر دیت واجب ہے بغیر اس کے کہ اُس پر کفارہ لازم آئے اور ارث سے محروم ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اُس پر کفارہ واجب ہے اور ارث سے وہ محروم ہوگا، اس لیے کہ ان کے نزدیک قتل سبب ملحق بہ قتل خطا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں قتل سبب سے حقیقتاً قتل معدوم ہے اور قتل خطا کے ساتھ الحاق بہ صورت ضمان ہے۔ اور جب ضمان نہیں تو اپنے اصل پر رہے گا۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک قاتل اس صورت میں ارث سے بھی محروم نہیں ہوگا جب کہ وہ بچہ یا دیوانہ ہو کیونکہ وہ مکلف نہیں۔

دیت اور اس کی مقدار:

دیت (خون بہا) کا مطلب وہ مال ہے جو مقتول کے قتل کے عوض قاتل سے لیا جائے۔ یہ مالِ دیت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سونے سے ایک ہزار دینار، چاندی سے دس ہزار درہم اور اونٹوں سے سو اونٹ ہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک گایوں سے چالیس گائے، بکریوں سے دو ہزار بکری اور حُلّوں (کپڑے کے جوڑوں) سے دو سو حُلّے ہیں اور ہر حُلّہ دو جاموں کا ہے۔ اس لیے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیت کو اُس مال پر جس کا یہ مالک ہے، مقرر کیا ہے۔

اور دیت مغلظہ شبہ عمد میں شیخین (امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کے نزدیک پچیس اونٹ یک سالہ اور پچیس اونٹ دو سالہ اور پچیس اونٹ چار سالہ ہیں۔ اور امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تیس اونٹ تین سالہ اور تیس چار سالہ اور چالیس ایسی پانچ سالہ اونٹنیاں ہیں کہ ہر ایک ان میں سے چھ مہینے کی حاملہ ہو۔

اور قتل خطا میں حنفیہ کے نزدیک بیس اونٹ یک سالہ نر اور بیس دو سالہ اور بیس تین سالہ اور بیس چار سالہ اور بیس یک سالہ مادہ ہونی چاہئیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بجائے بیس اونٹ نر یک سالہ کے بیس مادہ یک سالہ ہیں۔

کفارہ:

اور کفارہ شبہ عمد اور خطا کا یہ ہے کہ ایک مومن غلام کو آزاد کیا جائے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دو مہینے کے متواتر بلا ناغہ روزے رکھے۔ اگر ایک بھی ناغہ ہو گیا تو پھر نئے سرے سے دو مہینے کی گنتی پوری کرنی ہوگی، نیز روزے بھی خود رکھنے ہوں گے۔ روزوں کے عوض کسی کو کھانا کھلانا جائز نہیں کیونکہ اس کی بابت کوئی نص وارد نہیں۔

عاقلہ کا مطلب:

عاقلہ کہتے ہیں دیوان اور لشکر والوں کو کہ ان کے نام دیوان میں لکھے ہوں، اس لیے کہ دیت اہل نصرت پر ہے اور یہ اہل نصرت سے ہیں۔ اسی طرح عاقلہ اہل حرفت (پیشے والے) کے حرفہ (پیشہ) والے ہیں، جیسے زین دوزوں کا عاقلہ زین دوز ہیں اور کفش دوزوں کا عاقلہ کفش دوز ہیں۔ وعلی هذا القياس

ہر شخص کے ہم پیشہ اور ہم قوم اس کے عاقلہ ہیں۔ اور جو شخص دیوان یا پیشے والا نہ ہو، اس کا عاقلہ اس کے خویش و اَقارب ہیں کہ ایک باپ سے ہوں اور معتق قبیلہ کا عاقلہ اس قبیلے کا خواجہ (آقا وسردار) ہے اور عاقلہ مولی الموالات کا مولیٰ اور اس کا قبیلہ ہے۔

۱۷۔ خوش خلقی باعث برکت ہے:

((حسن الملكة يمن .)) (رواه أبوداود)

یعنی مالکوں کا مملوکوں (غلاموں اور ماتحت نوکروں) سے نیکی اور خوش خلقی سے پیش آنا موجب برکت اور زیادتیِ خیر کا باعث ہے۔

فائدہ: یعنی ممالیک (نوکروں چاکروں) کو فوق القدرۃ (طاقت سے باہر) تکلیف نہ دے، ان کے کھانے پینے کا خیال رکھے اور ان کے ساتھ نیکی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے کہ اس میں برکت ہے۔

۱۸۔ بد خلقی نحوست ہے:

((سوء الخلق شؤم .)) (رواه أبوداود)

یعنی مالکوں کا اپنے مملوکوں کے ساتھ بد خلقی سے پیش آنا بے برکتی اور نحوست کا سبب ہے۔

فائدہ: یعنی بد اخلاقی برکت کو گم کر دیتی ہے اور مملوک کو مالک بنا دیتی ہے۔

۱۹۔ انگلیاں برابر ہیں:

((الأصابع سواء .)) (رواه أبوداود)

''انگلیاں سب برابر ہیں۔''

فائدہ: یعنی دیت میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا حکم برابر ہے اگرچہ یہ انگلیاں چھوٹی بڑی ہیں کیونکہ منفعت کے لحاظ سے تمام انگلیاں یکساں حیثیت رکھتی ہیں۔ پس ایک انگلی کے کاٹنے میں، چاہے ہاتھ کی ہو یا پاؤں کی، دیت کا دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور ایک جوڑ یعنی پور کے کاٹنے میں اس انگلی سے جس میں تین پور (جوڑ) ہوں ایک انگلی کی دیت کا تیسرا حصہ لازم آتا ہے اور اس انگلی سے جس میں دو جوڑ ہیں ایک انگلی کی آدھی دیت واجب ہوتی ہے۔

ایمانیات

ایمان کی تعریف اور اس کے ارکان

مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف

عقیدے کی تعریف میں ایمان کا ذکر ہے، لہٰذا قارئین کے ذہن میں یہ سوال انگڑائی لے رہا ہوگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ یوں بھی عقیدہ صحیحہ کی بنیاد ایمانِ صحیح پر استوار ہے۔ بہ الفاظ دیگر دونوں لازم وملزوم، یعنی دونوں میں چولی اور دامن کا تعلق ہے۔ تاہم ایمان کا دائرہ بہ نسبت اعتقاد کے کچھ زیادہ وسیع ہے کیونکہ عقیدہ صرف اعتقاد جازم کو کہتے ہیں، اس میں عمل شامل نہیں جب کہ ایمان میں عمل شامل ہوتا ہے، لہٰذا آگے بڑھنے سے قبل ایمان کی تعریف اور اس کے ارکان کا جاننا نہایت ضروری اور ناگزیر امر ہے۔ لیجیے!

ایمان کی لغوی تعریف:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''الإیمان لغة التصدیق . ''

''ایمان کا لغوی معنی تصدیق قلب ہے۔'' (فتح الباري: ١/ ٦٤)

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"الإیمان هو التصدیق معه الأمن . " (مفردات القرآن)

''ایمان وہ تصدیق ہے جس کے ساتھ امن اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔''

مفسر عبداللہ بن عمر البیضاوی (متوفی ٦٤١ھ) رقم طراز ہیں:

"الإیمان لغة التصدیق، مأخوذ من الأمن، کان المصدِق أمن المصدَقَ من التکذیب والمخالفة واستعماله بالباء ههنا لتضمنه معنی الاعتراف، وقد یطلق علی الوثوق من حیث أن الواثق صار ذا أمن . "

(تفسیر بیضاوي، سورة البقرة: ١٩)

''ایمان کا لغوی معنی تصدیق ہے۔ اس کا مادہ ''امن'' ہے، گویا ایمان لانے والا انسان جس ہستی پر ایمان لاتا ہے اس کو اپنی تکذیب اور مخالفت سے بے خوف کر دیتا ہے۔ اور حرف با کے تعدیہ سے اس میں اعتراف کا معنی متضمن ہے۔ ایمان کا دوسرا معنی وثوق، اعتماد اور اطمینان بھی ہے کیونکہ واثق کو اپنے موثق پر پورا وثوق اور اطمینان ہوتا ہے۔''

تصدیق کی بہ نسبت ایمان کا معنی ''وثوق'' قرآن کے زیادہ موافق معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن میں ایمان کا لفظ وثوق کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ کُنَّا صٰدِقِیْنَ﴾ [یوسف: ١٧]

''آپ کو ہماری بات پر وثوق واطمینان نہیں، گو ہم کتنے ہی سچے ہوں۔''

نیز فرمایا:

﴿قَالَ هَلْ اٰمَنُکُمْ عَلَیْهِ اِلَّا کَمَآ اَمِنْتُکُمْ عَلٰٓی اَخِیْهِ مِنْ قَبْلُ﴾ [یوسف: ٦٤]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والإیمان لغةً التصدیق وشرعاً تصدیق الرسول بما جاء عن ربه . "

(فتح الباري: ١/ ٦٤)

''ایمان لغت میں مطلق تصدیق کا نام ہے اور شریعت میں ایمان کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے (اصول، احکام وارکانِ دین) لے کر آئے ان تمام کی تصدیق کرنا یعنی سب کی سچائی دل میں بٹھانا۔''

یہاں تک ایمان کے لغوی وشرعی معانی پر سب کا اتفاق ہے۔ ایمان بسیط ہے یا مرکب ثنائی ہے یا مرکب ثلاثی ہے، کمی بیشی کا محل ہے یا نہیں وغیرہ تفصیلات میں اختلاف ہے۔

ارکانِ ایمان:

ایمان کے تین ارکان ہیں۔ اہل السنۃ کا مذہب ہے کہ ایمان قلبی تصدیق، زبان کے اقرار اور عمل بالارکان کا نام ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ٢٥٦ھ) ارقام فرماتے ہیں:

”باب قول النبي ﷺ ((بني الإسلام على خمس .)) وهو قول وفعل ويزيد وينقص .“ (صحيح بخاري: ١/٥)

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں (شہادتین، نماز، زکاۃ، روزہ اور حج) پر ہے۔“ اور یہ قول وفعل سے عبارت ہے، ایمان بڑھتا اور کم ہوتا ہے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ راشد (متوفی ١٠١ھ) ایمان کے اجزاء بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”إن للإيمان فرائض وشرائع وحدودا وسننا، فمن استكملها استكمل الإيمان ومن لم يستكملها لم يستكمل الإيمان، فإن أعش فسأبينها لكم .“ (صحيح بخاري: ١/٧٦)

”بلاشبہ ایمان کے اندر فرائض (نماز، زکاۃ، روزہ وغیرہ)، عقائد، حدود (شراب، زنا، قذف وغیرہ کی حدیں) اور مسنون ومستحب کام ہیں جو سب ایمان میں داخل ہیں۔ جو ان سب کو پورا کرے اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا اور جو پورے طور پر ان کا لحاظ نہ رکھے اور نہ ان کو پورا کرے اس نے اپنا ایمان پورا نہیں کیا۔ اگر میں زندہ رہا تو میں ان سب کو مفصل بیان کردوں گا۔“

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ٧٢٨ھ) رقم طراز ہیں:

”ومن هذا الباب أقوال السلف وأئمة السنة في تفسير الإيمان، فتارة يقولون: هو قول وعمل، وتارة يقولون: هو قول وعمل ونية، وتارة يقولون: قول وعمل ونية واتباع السنة، وتارة يقولون: قول باللسان واعتقاد بالقلب وعمل بالجوارح وكل هذا صحيح، فإذا قالوا: قول وعمل فإنه يدخل في القول القلب واللسان جميعا وهذا هو المفهوم من لفظ القول والكلام .“ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ج: ٧)

سلف صالحین اور ائمہ سنت کے ایمان کی تفسیر میں چار قول ہیں: ١۔ قول وعمل۔ ٢۔ قول وعمل اور نیت، یعنی دل کی تصدیق۔ ٣۔ قول وعمل اور اتباعِ سنت۔ ٤۔ زبان کے اقرار، دل کے اعتقاد اور عمل بالجوارح کا نام ایمان ہے اور قول سے دل اور زبان دونوں کا قول مراد ہے۔ اور چاروں تعریفیں اگرچہ بہ ظاہر لفظاً مختلف ہیں مگر معنی سب کا ایک ہے۔

ألفاظنا شتى ومفهونا واحد
كل إلى ذاك الحسن يشير

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی ٨٥٢ھ) سلف صالحین کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فالسلف قالوا: هو اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالأركان . وأرادو بذلك أن الأعمال شرط في كماله .“ (فتح الباري: ١/٦٤)

”سلف صالحین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین) کا مذہب یہ تھا کہ ایمان دل کے اعتقاد جازم، زبان کے اقرار اور عمل بالارکان تینوں کے مجموعے سے عبارت ہے۔ ایمان کی کمالیت کے لیے اعمال شرط ہیں، یعنی اعمال کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔“

حضرت امام شافعی کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا

اس تعریف پر اجماع ہے، فرماتے ہیں:

"وكان الإجماع من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وممن أدركناهم يقولون: إن الإيمان قول وعمل ونية ولا تجزئ واحد من الثلاثة بالأخرىٰ." (كتاب الإيمان، ص: ١٨٢)

یعنی ایمان اقرار، عمل اور نیت (قلبی) کا نام ہے، کوئی ایک بھی ان تینوں میں سے ایک دوسرے کفایت نہیں کرتے۔ اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، ان کے بعد والے اور جن ائمہ کو ہم نے پایا ہے کا اجماع ثابت ہے۔

امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کے بیان فرمودہ اجماع کی تائید میں لکھتے ہیں:

"أطنب ابن أبي حاتم واللالكائي في نقل ذلك بالأسانيد عن جمع كثير من الصحابة والتابعين وكل من يدور عليه الإجماع من الصحابة والتابعين وحكاه فضيل بن عياض ووكيع عن أهل السنة والجماعة."

(فتح الباري: ١/ ٦٥)

"امام ابن حاتم اور امام لالکائی نے بڑی تفصیل کے ساتھ بہت سے صحابہ اور تابعین، جن پر اجماع کا مدار ہے، سے بیان کیا ہے کہ سب کا یہ مذہب تھا کہ ایمان قول اور عمل سے عبارت ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض اور امام وکیع بن جراح نے اہل سنت کا یہی مذہب بیان فرمایا ہے۔"

استاد ابوزہرہ مصری اس اختلاف کی تفصیلات بتاتے ہیں:

"ایمان کی حقیقت ایک ایسا مسئلہ ہے جو اپنے اندر متعدد اختلافی پہلو رکھتا ہے اور یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ اس نے متعدد فرقے پیدا کر دیے۔ فرقہ جہمیہ کا خیال ہے کہ ایمان معرفت کا نام ہے اگرچہ وہ عمل سے ہم آہنگ نہ ہو۔ انھوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ معرفت کے ساتھ اذعان بھی واجب ہے۔ معتزلہ کا یہ خیال ہے کہ اعمال ایمان کا جزو ہیں۔ ان کے نزدیک جو شخص کبائر کا ارتکاب کرتا ہے وہ مومن نہیں رہتا اگرچہ وہ وحدانیت خداوندی کا عقیدہ رکھتا اور محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا رسول مانتا ہو لیکن وہ کافر بھی نہیں ہوتا، یعنی نہ پورا مومن نہ پورا کافر بلکہ ان دونوں کے بین بین ہے۔ خوارج کا خیال ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا مومن نہیں رہتا کافر ہو جاتا ہے، اس لیے کہ عمل ایمان کا جزو ہے۔ ضروری تھا کہ محدثین اور فقہاء اپنے اپنے انداز میں اس مسئلے پر گفتگو کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ روش یہی ہو سکتی تھی کہ وہ عقل مجرد پر اعتماد کرنے کی بجائے کتاب وسنت پر بھروسہ کریں۔ پھر اس بارے میں ان کی آراء باہم ایک دوسرے سے زیادہ بعید نہیں ہیں، تاہم کسی نہ کسی حد تک مخالف ضرور ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایمان غیر متزلزل اعتقاد کا نام ہے۔ ابوحنیفہ کے نزدیک اس اعتقاد کی علامت صرف یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے۔ ابوحنیفہ کے نزدیک عمل ایمان کا حصہ نہیں ہے (یعنی نماز، زکاۃ، روزہ اور حج وغیرہ ایمان کا جزو نہیں) بلکہ ان کے نزدیک ایمان ایک ایسی مجرد حقیقت کا نام ہے جو بجائے خود کامل ہوتی ہے اور کمی زیادتی قبول نہیں کرتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان بھی ویسا ہی ہے جیسا تمام مسلمانوں کا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ عمل کی بنا پر ہے (نہ کہ ایمان کی بنا پر) اور اس بنا پر کہ آپ ان عشرہ مبشرہ کے سرخیل ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی۔ اب اس کے بعد مسلمانوں کے اقدار کا باہمی تفاوت صرف عمل اور تعمیل حکم الٰہی اور اجتناب نواہی کی بنا پر رہ گیا۔ (آج کے احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔ عفیف)

امام مالک کے نزدیک ایمان نام ہے تصدیق واذعان کا لیکن ان کے نزدیک ایمان میں زیادتی ممکن ہے، اس لیے کہ قرآنِ مجید میں بعض مسلمانوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کا ایمان بڑھتا ہے جس طرح امام مالک کے نزدیک ایمان میں اضافہ ہوسکتا ہے، اسی طرح کمی بھی، وہ اس کمی کی صراحت بھی کردیتے تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمی کی صراحت سے وہ رک گئے کیونکہ انھوں نے اس کا اظہار فرمایا ہے کہ ایمان نام ہے قول وعمل کا، وہ گھٹ بھی سکتا ہے اور بڑھ بھی سکتا ہے۔

حافظ ابن الجوزی کی کتاب المناقب میں وارد ہوا ہے کہ امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ ایمان نام ہے قول وعمل، کا وہ گھٹ بھی سکتا ہے اور بڑھ بھی سکتا ہے۔ نیکوکاری تمام تر ایمان ہی ہے اور معاصی سے ایمان میں کمی ہوجاتی ہے۔ نیز وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے اہل سنت والجماعت میں مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ اس امر کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ نیز یہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ نیز دوسرے انبیاء ورسل جو کچھ لائے ہیں ان کا اقرار کرے اور جو کچھ اس کی زبان سے ظاہر ہو وہ اس کے قلب سے ہم آہنگ ہو، پس ایسے آدمی کے ایمان میں کوئی شک نہیں۔''

(حیات امام احمد بن حنبل، ص:۲۱۶، ۲۱۷)

مسلکِ محدثین:

جمہور ائمہ اہل سنت اور جملہ محدثین کرام کے نزدیک ایمان مرکب ثلاثی ہے، یعنی ان کے نزدیک ایمان کا نام ہے تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالارکان۔ گویا ایمان مرکب ذو اجزاء ہے اور عمل حقیقت ایمان میں داخل ہے۔

امام ابن عبدالبر اپنی کتاب التمہید میں ائمہ اہل سنت والجماعت ومحدثین کا مذہب بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"أجمع أهل الفقه والحديث على أن الإيمان قول وعمل ولا عمل إلا بنية قال: والإيمان عندهم يزيد بالطاعة وينقص بالمعصية، والطاعات كلها عندهم إيمان إلا ما ذكر عن أبي حنيفة وأصحابه فإنهم ذهبوا إلى أن الطاعات لا تسمى إيمانا، قالوا: إنما الإيمان التصديق والاقرار، ومنهم من زاد "والمعرفة" وذكر ما احتجوا به إلى أن قال: وأما سائر الفقهاء من أكمل الرأي والآثار بالحجاز والعراق والشام ومصر ومنهم مالك بن أنس والليث بن سعد وسفيان الثورى والأوزاعي والشافعي وأحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه وأبوعبيد القاسم بن سلام وداود بن علي ومن سلك سبيلهم وقالوا: الإيمان قول وعمل، قول باللسان وهو الإقرار واعتقاد بالقلب وعمل بالجوارح مع الإخلاص بالنية الصادقة وقالوا كل ما يطاع لله من فريضة ونافلة فهو من الإيمان قالوا: الإيمان يزيد بالطاعات وينقص بالمعاصي وهذا مذهب الجماعة من أهل الحديث والحمد لله."

(مترجم بخاري: ١/ ١٧٧)

''امام ابن عبدالبر کی اس جامع تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل فقہ اور اہل حدیث سب کا اجماع ہے کہ ایمان قول اور عمل پر مشتمل ہے اور عمل کا اعتبار نیت پر ہے۔ ایمان نیکیوں سے بڑھتا ہے اور گناہوں سے گھٹتا ہے اور نیکیاں جس قدر بھی ہیں وہ سب ایمان ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ طاعات کا نام ایمان نہیں رکھا جاسکتا، ایمان صرف تصدیق اور اقرار کا نام ہے۔ بعض نے معرفت کا

اضافہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ جملہ فقہائے اہل الرائے واہل حدیث حجازی، عراقی، شامی اور مصری سب یہی کہتے ہیں، جیسے امام مالک بن انس، لیث بن سعد، سفیان ثوری، اوزاعی، شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوعبید قاسم بن سلام اور داود بن علی اور ہر وہ جو اِن کے راستے پر چلا وہ کہتے ہیں کہ ایمان زبان سے اقرار کرنا اور دل میں اعتقاد رکھنا اور جوارح سے نیت صادقہ کے ساتھ عمل کرنا۔ اور عبادات وطاعات فرض ہوں یا نفل سب ایمان ہے اور ایمان نیکیوں سے بڑھتا ہے اور برائیوں سے گھٹتا ہے جماعت اہل حدیث کا بھی یہی مسلک ہے۔ والحمد لله علی ذلك.

"وقال السلف من أئمة الثلاثة مالك والشافعي وأحمد وغيرهم من أصحاب الحديث: هو اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالأركان والإيمان عندهم مركب ذو أجزاء والأعمال داخلة في حقيقة الإيمان فمن ههنا نشألهم القول بالزيادة والنقصان بحسب الكمية."

(مرعاة المفاتيح: ۱/ ۲۳)

یعنی سلف امت ائمہ ثلاثہ مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور دیگر اصحاب الحدیث کے نزدیک ایمان دل کے اعتقاد اور زبان کے اقرار اور ارکان کے عمل کا نام ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک ایمان مرکب ہے جس کے لیے مذکورہ اجزاء ضروری ہیں اور اعمال حقیقت ایمان میں داخل ہیں۔ اسی بنا پر ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ اس دعوے پر ان کے یہاں بہت سی آیات کریمہ اور احادیث نبویہ ﷺ دلیل ہیں۔

ضرورت مدرس

درس نظامی کی کلاسز کو پڑھانے کے لیے ایک محنتی مدرس کی فوری ضرورت ہے۔ تنخواہ ورہائش اچھی دی جائے گی۔

(حافظ محمد ایوب خالد، جامعہ عمر ابن الخطاب اہل حدیث، جھبراں، ضلع شیخوپورہ۔ فون: 03008878629)

دارالحدیث اوکاڑا میں افتتاحی تقریب بخاری شریف

امسال دارالحدیث اوکاڑا میں الجامع الصحیح للبخاری کی ۵۹ ویں سال کی تدریس کے آغاز پر ایک باوقار افتتاحی تقریب بخاری کا انعقاد ۳۰ ستمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار بعد نماز ظہر کیا گیا جس میں جماعت کے معروف عالم دین مفتی حافظ ابو محمد عبدالستار الحماد مدیر مرکز الدارسات الاسلامیہ میاں چنوں نے بخاری شریف کی پہلی حدیث پر فاضلانہ درس ارشاد فرمایا۔ بعد نماز ظہر قاری محمد خالد مجاہد نے خطاب فرمایا۔ ادارہ میں الحمدللہ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۸۱ء تک ۲۸ مرتبہ درج ذیل شیوخ الحدیث نے درس بخاری دیا ہے۔ اس کی تفصیل درج ہے:

بانی مدرسہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد عبدالجبار محدث کھنڈیلوی رحمہ اللہ (۸ سال)، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحیم عارف رحمانی رحمہ اللہ (۳ سال)، شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صافوی رحمہ اللہ (۸ سال)، شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ بنیامین رحمہ اللہ (۲ سال)، شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ اصغر صاحب (۷ سال)۔ اس وقت استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی متعنا اللہ بطول حیاتہ ۱۹۸۲ء سے بخاری شریف کی تدریس کی سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت وعافیت سے خدمت حدیث کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ نیز بخاری شریف ودیگر کلاسوں میں داخلہ جاری ہے۔ بخاری پڑھنے والے طلباء کو ماہانہ نقد وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

(عبداللہ یوسف، ناظم دارالحدیث ساہیوال روڈ، اوکاڑا فون: 0312-4403173)

ارکانِ اسلام

قسط نمبر ② آخری

طریقۂ حج وعمرہ

فضیلة الشیخ علامه محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ

ترجمہ، تقدیم وتخریج: ریاض احمد عاقب اثری

مقدمہ (از ابن عثیمین رحمہ اللہ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على محمد خاتم الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه الغر الميامين، أما بعد:

بلاشبہ حج کا تعلق افضل عبادات اور عظیم فرمانبرداری کے امور سے ہے کیونکہ یہ ان ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا کرکے مبعوث فرمایا اور جن کے بغیر بندۂ مومن کا دین مکمل نہیں ہوتا۔

عبادت اس وقت تک قربِ الٰہی کا ذریعہ اور شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرتی جب تک اس میں دو شرطیں نہ پائی جاتی ہوں:

(ا) **اخلاص**: ......صرف اللہ عزوجل کے لیے عبادت کرنا۔ وہ اس طرح کہ عبادت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور دارِ آخرت ہو، عبادت کرکے اس سے ریاکاری، دکھلاوا اور دنیاوی غرض ہرگز مقصود نہ ہو۔

ب: **اتباعِ رسول** ﷺ: ......قولی اور عملی طور پر عبادت میں نبی کریم ﷺ کی پیروی کی جائے۔ سنت رسول ﷺ کی پہچان کے بغیر اتباعِ نبی ﷺ کا پورا ہونا ناممکن ہے۔

چونکہ حج بھی عبادت ہے اس لیے اس میں اخلاص وللّٰہیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا ہونا ازحد ضروری ہے۔ اگر اخلاص ہے لیکن محمد مصطفیٰ ﷺ کے طریقے کے مطابق حج نہیں ہے تو اس حج کا کوئی فائدہ نہیں، خواہ آدمی جتنے مرضی حج کرتا پھرے۔ اسی طرح اگر اتباعِ رسول ﷺ تو ہے لیکن اخلاص نہیں تو ایسا حج بھی بے کار ہے۔

اقسامِ حج:

حج کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ حج تمتع، ۲۔ حج افراد، ۳۔ حج قران

① ...... **حج تمتع**: تمتع کا لغوی معنی ''فائدہ اٹھانا'' ہے کیونکہ اس سفرِ حج میں حاجی پہلے عمرہ کرتا ہے، پھر احرام کھول کر درمیان میں فائدہ اٹھالیتا ہے، پھر آٹھ ذوالحجہ کو دوبارہ حج کا احرام باندھتا ہے۔ درمیان میں فائدہ اٹھانے کی وجہ سے اسے تمتع کہا جاتا ہے۔

حج تمتع میں حاجی حج کے مہینوں میں صرف عمرے کا احرام باندھے گا۔ جب وہ مکہ پہنچے گا تو وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا ومروہ کی سعی کرے گا اور اپنے سر کے بال چھوٹے کروائے گا یا منڈوالے گا اگر حج سے پہلے بالوں کے دوبارہ اگنے کا وقت ہو۔

جب ترویہ، یعنی ذوالحجہ کا دن آئے گا تو وہ صرف حج کا احرام باندھ کر حج کے تمام افعال بجالائے گا اور قربانی کرے گا۔

② ...... **حج فرد**: حج فرد میں حاجی صرف حج کا احرام باندھے گا۔ جب وہ مکہ پہنچے گا تو وہ حج کے لیے طوافِ قدوم اور صفا ومروہ کی سعی کرے گا اور اپنے سر کے بال منڈوائے گا اور نہ ہی چھوٹے کروائے گا اور نہ ہی اپنا احرام کھولے گا بلکہ حالتِ احرام میں رہے گا۔ وہ عید کے دن جمرۂ عقبہ کو کنکری مارنے کے بعد احرام کھولے گا۔ اگر وہ حج کی سعی کو طوافِ حج کے بعد تک مؤخر کردے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

③ ...... **حج قِران**: قِران کا معنی ''ملانا'' ہے۔ چونکہ اس حج میں حاجی عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھا احرام باندھتا ہے، اس لیے اسے قِران کہتے ہیں۔ حج قران میں حاجی عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھا احرام باندھے گا یا پہلے عمرے کا احرام باندھ لے، پھر طواف شروع کرنے

سے پہلے حج بھی اس میں داخل کرلے۔ حج قِران کرنے والے اور حج مفرد والے کے اعمال ایک جیسے ہیں۔ ہاں، قِران والے پر قربانی ضروری ہے جب کہ حج مفرد والے پر قربانی نہیں ہے۔

افضل حج:

حج کی ان مذکورہ تینوں قسموں میں حج تمتع افضل ہے، اسی کے کرنے کا نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا اور اس کی انھیں ترغیب دلائی۔

اگر کسی شخص نے حج قِران یا حج مفرد کا احرام باندھ رکھا ہو تو اس کے لیے تاکید ہے کہ وہ اپنے احرام کو عمرے میں بدل لے تاکہ وہ حج تمتع والا ہوجائے اگرچہ وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا ومروہ کی سعی کرچکا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب حجۃ الوداع کے سال طواف اور سعی کرلی تو آپ ﷺ نے ان صحابہ کو جن کے پاس قربانی کا جانور نہ تھا، یہ حکم دیا کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ میں تبدیل کرلیں، بال کٹوالیں اور اپنا احرام کھول دیں اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((لولا أني سقت الهدي لفعلت مثل الذي أمرتكم به.)) (صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٢١٦)

''اگر میرے ساتھ حج کی قربانی نہ ہوتی تو میں بھی وہی کرتا جس کا تمھیں حکم دیا ہے۔''

طریقۂ عمرہ:

❀...... حاجی جب عمرے کا احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو اس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے کپڑے اُتار کر غسلِ جنابت کی طرح غسل کرے گا اور اپنے پاس موجود عود جیسی عمدہ خوش بُو اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو لگالے گا۔ احرام باندھنے کے بعد اگر خوش بُو کے اثرات باقی رہ گئے ہوں تو وہ نقصان دہ نہیں ہیں۔

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٥٣٩)

❀...... احرام کے وقت غسل کرنا مردوں اور خواتین دونوں کے لیے سنت ہے حتی کہ جو خواتین حیض ونفاس کی حالت میں ہوں ان کے لیے بھی غسل کرنا سنت ہے۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٢٠٩)

❀...... غسل اور خوش بُو لگانے کے بعد حاجی احرام کے کپڑے پہنے گا اور وہ اس طرح کہ دو صاف ستھری چادریں لے کر ایک چادر کا تہ بند بنالے اور دوسری چادر اپنے دونوں کندھوں پر اوڑھ لے۔ اور طوافِ قدوم کے وقت ہی اپنا دایاں کندھا ننگا کرے گا، ہر وقت اپنا دایاں کندھا ننگا رکھنا سنت سے ثابت نہیں ہے۔

❀...... بعد ازاں حیض ونفاس والی خواتین کے علاوہ باقی سب فرض نماز ادا کریں گے اگر نمازِ فرض کا وقت ہو، ورنہ تحیۃ الوضوء کی نیت کرکے دو سنتیں پڑھ لیں۔ اگر وہ دو سنتیں نہ بھی پڑھیں تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ احرام کے لیے الگ دو نفل پڑھنا رسولِ اکرم ﷺ سے ثابت نہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوجائے تو حالت احرام میں یہ کلمات بہ آواز بلند پڑھے گا:

"لَبَّيْكَ عُمْرَةً، لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ." (صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٥٤٩، صحيح مسلم، رقم الحديث: ١١٨٤)

مرد حضرات یہ کلمات بلند آواز سے پڑھیں گے اور خواتین اس قدر اونچی آواز سے یہ کلمات پڑھیں گی کہ ان کے ساتھ والے صرف آواز سن سکیں۔ (أبو داود، رقم الحديث: ١٨١٤، ترمذي، رقم الحديث: ٧٢٩، نسائي: ٥/ ١٦٢، ابن ماجه، رقم الحديث: ٢٩٢٢ والحديث صحيح)

تلبیہ:

محرم کے لیے ضروری ہے کہ وہ کثرت سے تلبیہ پکارے۔ بالخصوص احوال اور وقت کی تبدیلی کے وقت، مثلاً: جب حاجی بلند جگہ پر چڑھ رہا ہو یا نیچے اُتر رہا ہو یا رات اور دن کے آنے جانے کا وقت ہو تو وہ کثرت سے تلبیہ پکارے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مندی اور جنت کا سوال کرے اور اس کی رحمت کے ذریعے جہنم کی آگ سے پناہ مانگے۔

تلبیہ عمرے کا احرام باندھنے سے لے کر طواف کی ابتدا تک اور

حج کا احرام باندھنے سے لے کر عید کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی تک جاری رکھنا مشروع ہے۔

مسجد حرام میں داخلہ کے آداب

محرم جب مسجد حرام میں داخل ہو تو پہلے اپنا دایاں پاؤں اندر رکھے اور پھر یہ دعائیں پڑھے:

"أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ." (أبوداود، رقم الحديث: ٤٦٦، صححه الألباني في صحيح الجامع: ٤/٢١٧)

"میں بزرگ و برتر اللہ، اس کے باعزت چہرے اور اس کی قدیم سلطنت کے ذریعے شیطان مردود سے پناہ چاہتا ہوں۔"

"بِاسْمِ اللّٰهِ (١) وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ (٢)، اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (٣)." ((١): ابن ماجه، رقم الحديث: ٧٧١ سنده ضعيف. (٢): أبوداود، رقم الحديث: ٤٦٥ سنده صحيح بدون "والصلاة"، (٣): صحيح مسلم: ٧١٣)

"اللہ کے نام سے مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور صلاۃ وسلام اللہ کے رسول پر نازل ہوں۔ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔"

بیت اللہ کا طواف:

مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد حاجی مطاف (طواف کرنے کی جگہ) میں آجائے۔ طواف شروع کرنے کے لیے حجرِ اسود کے سامنے آئے اور اپنے دائیں ہاتھ سے اللہ اکبر کہہ کر حجرِ اسود کو چھوئے اور اسے بوسہ دے۔ اگر رش اور اژدہام کی وجہ سے حجرِ اسود کو ہاتھ سے چھونا مشکل ہو تو حجرِ اسود کی طرف منہ کر کے دور سے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرے اور اس صورت میں ہاتھ کو بوسہ نہ دے۔

حاجی کے لیے افضل یہ ہے کہ حجرِ اسود کو چھوتے وقت دھکم پیل نہ کرے، اس عمل سے دوسرے لوگ تکلیف و ایذا محسوس کریں گے۔

حجر اسود چھوتے وقت یہ دعا پڑھے:

"بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ إِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ." (السنن الكبرىٰ للبيهقي: ٥/ ٧٩، مصنف عبدالرزاق: ٥/ ٣٣، فتاوىٰ ابن تيميه: ٢٦/ ١٢٠، تلخيص الحبير: ٢/ ٢٤٧)

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ بہت بڑا ہے۔ اے اللہ! تجھ پر ایمان، تیری کتاب کی تصدیق اور تیرے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی محمد ﷺ کی سنت کی پیروی میں (یہ عمل کر رہا ہوں۔)"

دعا پڑھنے کے بعد بیت اللہ کو بائیں جانب بنا کر طواف شروع کر دے۔ جب حاجی رکنِ یمانی پر پہنچے تو اگر اس کے لیے آسانی ہو تو رکنِ یمانی کو بوسہ دیے بغیر چھو لے۔ اگر آسانی نہ ہو تو وہ کسی کو دھکا دے اور نہ ہی اس کی طرف ہاتھ سے اشارے کرے۔ بغیر اشارہ کیے آگے نکل جائے۔ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے:

"رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ." (أبوداود: ١٨٩٢، مسند أحمد: ٣/ ٤١١، السنن الكبرىٰ للنسائي: ٣٩٤٣ سنده حسن)

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائیاں عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔"

حاجی جب بھی طواف کے دوران حجرِ اسود کے پاس سے گزرے گا تو وہ "اَللّٰهُ أَكْبَرُ" کہے گا۔ [1]

[1] جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، دیکھیں صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٦١٣۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے "بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" کہنا بھی ثابت ہے جیسا کہ امام بیہقی نے سنن (٥/ ٧٩) میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (تلخيص الحبير: ٢/ ٢٤٧) (اثری)

حاجی اپنے باقی طواف میں کوئی بھی پسندیدہ ذکر، دعا اور قرآن کا جو حصہ یاد ہو پڑھے کیونکہ طوافِ بیت اللہ، صفا ومروہ کی سعی اور جمرات کی رمی ذکرِ الٰہی کو اُجاگر کرنے کے لیے ہی شروع کی گئی ہے۔

طوافِ قدوم میں آدمی کے لیے دو چیزیں کرنا ضروری ہیں:

(ا **اضطباع**: اضطباع شروع طواف سے آخر طواف تک کیا جائے گا۔ اضطباع کا طریقہ یہ ہے کہ طواف شروع کرنے سے پہلے احرام کی اوپر والی چادر کو درمیان سے پکڑ کر اپنے دائیں کندھے کے نیچے بغل سے نکال کر چادر کے کونے بائیں کندھے پر اس طرح ڈالیں کہ دایاں کندھا ننگا ہو جائے عربی میں اس حالت کو اضطباع کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اضطباع ثابت ہے۔ (أبو داود، رقم الحديث: ١٨٨٣، ترمذي: ٨٥٩، ابن ماجه: ٢٩٥٤، مسند أحمد: ٤/ ٢٢٤ سنده حسن)

جب مُحرِم طواف سے فارغ ہو جائے تو چادر دوبارہ اسی حالت میں لوٹا لے جو طواف سے پہلے تھی کیونکہ اضطباع کا محل صرف طواف ہے۔

ب. رمل: رمل صرف پہلے تین چکروں میں ہے۔ رمل کا مطلب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر تیز تیز چلنا۔ باقی چار چکروں میں رمل نہیں ہے۔ ان میں معمول کے مطابق محرم آہستہ آہستہ عام چال چلے گا۔ (صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٦٠٢، صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٢٦٤)

مقامِ ابراہیم پر دو رکعت:

جب مُحرِم طوافِ کعبہ کے سات چکر مکمل کر لے تو وہ مقامِ ابراہیم آ کر یہ آیت پڑھے:

﴿وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة: ١٢٥]

''تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔''

پھر مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں ادا کرے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص کی تلاوت کرے۔ (صحيح مسلم: ١٢١٨)

مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں ادا کر کے حجرِ اسود کی طرف آئے۔ اگر میسر ہو تو اس کو چھوئے اور چھونا میسر نہ ہو تو اس کی طرف اشارہ نہ کرے۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٢١٨، مسند أحمد: ٣/ ٣٩٤ وغيرهما)

نوٹ: مقام ابراہیم پر دو رکعت ادا کر کے زمزم کا پانی پینا اور سر پر ڈالنا بھی ثابت ہے۔ (مسند أحمد: ٣/ ٣٩٤)

صفا و مروہ کی سعی:

بعد ازاں مُحرِم صفا و مروہ کی سعی کے لیے (مسجد حرام سے) نکلے۔ جب صفا پہاڑی کے قریب آئے تو یہ آیت تلاوت کرے:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ١٥٨]

''بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

پھر صفا پہاڑی پر اتنی بلندی تک چڑھ جائے حتیٰ کہ بیت اللہ نظر آنے لگے، پھر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس طرح بلند کرے جس طرح دعا میں بلند کرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف کرے اور جتنی چاہے دعا کرے۔ اس موقع پر نبی کریم یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ.)) (صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٢١٨، أبو داود، رقم الحديث: ١٩٠٥، ابن ماجه، رقم الحديث: ٣٠٧٤، مسند أحمد: ٣/ ٣٨٨)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام لشکروں کو اس اکیلے نے

شکست خوردہ کردیا۔“

یہ الفاظ آپ تین بار دھراتے رہیں اور اس کے درمیان دعائیں کرتے رہیں۔

پھراس کے بعد صفا سے نیچے اتر کر عام رفتار سے مروہ کی جانب چلیں۔ جب سبز نشانوں تک پہنچیں تو حسبِ طاقت (پہلے سبز نشان سے لے کر دوسرے سبز نشان تک) دوڑیں۔ اس دوران کسی کو ایذا نہ پہنچائیں۔ جب حاجی دوسرے سبز نشان تک پہنچ جائے تو پھر حسبِ معمول مروہ کی پہاڑی تک چلے، پھر مروہ پر چڑھ کر قبلہ رخ ہوکر ہاتھ اٹھائے جیسے دعا میں اٹھائے جاتے ہیں اور مروہ پر بھی اسی طرح دعائیں کرے جیسے صفا پر کی تھیں۔

پھر مروہ سے اُتر کر صفا کی طرف چلے۔ وہ چلنے کی جگہ چلے گا اور دوڑنے کی جگہ دوڑے گا۔ جب وہ صفا پہاڑی پر پہنچے گا تو وہی عمل دہرائے گا جو پہلی مرتبہ کیا تھا۔ اسی انداز پر مروہ پر وہی عمل کرے گا جو اس نے صفا پر کیا یہاں تک کہ وہ سات چکر مکمل کرلے۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر شمار ہوگا۔ پھر مروہ سے واپس صفا آنے سے دوسرا چکر شمار ہوگا۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث : ١٢١٨)

حاجی و معتمر کو صفا و مروہ کی سعی کے دوران جو بھی ذکر، دعا اور قرآن یاد ہو وہ پڑھ سکتا ہے۔

حلق یا تقصیر:

حلق بال منڈانے کو کہتے ہیں اور تقصیر بال کتروانے کو کہتے ہیں۔ جب مُحرِم صفا و مروہ کی سعی کے سات چکر مکمل کرلے، اگر مرد ہے تو اپنے سر کے بال منڈوالے اور اگر عورت ہے تو وہ انگلی بھر سر کے بال کاٹ لے۔ تمام سر کے بال منڈوانا واجب ہیں۔ اسی طرح تقصیر (بالوں کو چھوٹے کروانا) میں بھی بالوں کی تمام جہات شامل ہونی چاہئیں۔ بال منڈوانا بال کٹوانے سے افضل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بال منڈوانے والوں کے لیے تین بار اور چھوٹے کرانے والوں کے لیے صرف ایک بار دعائے رحمت فرمائی۔ (صحيح بخاري، رقم الحديث : ١٧٢٧، صحيح مسلم، رقم الحديث : ١٣٠١)

ہاں، اگر حج کے ایام قریب ہوں اور بالوں کے دوبارہ اُگنے کی گنجائش نہ ہوتو پھر بال کترانا افضل ہے تاکہ حج میں حلق (منڈوانے) کے لیے بال باقی رہیں۔ ان مذکورہ اعمال کے ساتھ عمرہ مکمل ہوجائے گا۔ پھر ان اعمال کے بجالانے کے بعد مُحرِم مکمل طور پر حلال ہوجائے گا۔ وہ احرام کھول کر عام لباس، خوش بُو اور نکاح وغیرہ دوسرے اعمال سرانجام دے سکتا ہے جیسے دوسرے غیر مُحرِم لوگ کرتے ہیں۔ (صحيح بخاري، رقم الحديث : ١٥٦٤، صحيح مسلم، رقم الحديث : ١٢٤٠)

طریقۂ حج:

٨ ذوالحجہ کو منی کے میدان میں، ترویہ کے دن یعنی آٹھ ذوالحجہ کو حاجی چاشت کے وقت اپنی قیام گاہ سے حج کا احرام باندھے۔ حج کا احرام باندھتے وقت اسی طرح غسل، خوش بُو اور نماز جیسے اعمال بجا لائے جس طرح اس نے عمرے کے احرام کے دوران کیے تھے۔ بعد ازاں حج کے احرام کی نیت کرکے یوں تلبیہ پکارے:

”لَبَّيْكَ حَجًّا ، لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ، لا شَرِيْكَ لَكَ . “ (صحيح بخاري، رقم الحديث : ١٥٤٩، صحيح مسلم، رقم الحديث : ١١٨٤)

”میں حج کے لیے حاضر ہوں، حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں، نعمتیں اور حکومت صرف تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔“

اگر مُحرِم کو کسی بھی رکاوٹ کا اندیشہ ہو جو حج مکمل کرنے سے مانع ہوتو وہ احرام باندھتے وقت یہ شرط لگالے:

”اَللّٰهُمَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي . “ (صحيح بخاري، رقم الحديث : ٥٠٨٩، صحيح مسلم، رقم الحديث : ١٢٠٧)

''جہاں مجھے رکاوٹ پیش آئی میں وہیں حلال ہوجاؤں گا۔''
اگر حاجی کو کسی بھی رکاوٹ کا اندیشہ نہ ہو تو وہ شرط نہ لگائے۔
تلبیہ کے کلمات پڑھتے ہوئے مُحرِم منیٰ کے میدان کی طرف روانہ ہو، وہاں پہنچ کر ظہر، عصر، عشاء قصر کر کے پڑھے جب کہ مغرب اور فجر کی نماز پوری اپنے اپنے وقت پر ادا کرے۔

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٦٥٥)

۹ ذوالحج عرفات کے میدان کو روانگی:

جب عرفہ کے دن سورج طلوع ہوگا حاجی منیٰ سے عرفہ روانہ ہوگا۔ اگر اس کے لیے آسانی ہو تو زوال تک مقام نمرہ پر ٹھہرا رہے۔ اگر وہاں ٹھہرنا آسان نہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ مقامِ نمرہ میں پڑاؤ ڈالنا سنت رسول ﷺ ہے۔

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٢١٨)

جب سورج ڈھل جائے گا تو حاجی ظہر وعصر کی دو دو رکعت جمع کر کے پڑھے گا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کیا تھا۔

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٢١٨)

ظہر اور عصر کی نماز کو جمع کر کے اس لیے پڑھا گیا تا کہ وقوف اور دعا کا وقت زیادہ ہو جائے۔ نماز کے بعد حاجی ذکرِ الٰہی، دعا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی وانکساری کرے اور قبلے کی جانب منہ کر کے ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کا اہتمام کرے۔ اس عمل کے دوران اگر اس کی پشت پہاڑ کی طرف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ قبلے کی طرف منہ کرنا سنت ہے نہ کہ پہاڑ کی طرف۔ حاجی کے لیے جبلِ رحمت پر چڑھنا مشروع نہیں ہے۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٢١٨، أبوداود، رقم الحديث: ١٩٠٨)

اس عظیم جگہ میں نبی کریم ﷺ کی اکثر یہ دعا ہوا کرتی تھی:

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.))

(ترمذي، رقم الحديث: ٣٥٨٥، حسنه الشيخ الألباني في صحيح الترمذي: ٣/ ١٨٤)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ تمام بادشاہی اور تعریفیں اسی کے لیے ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اگر حاجی کو اس دوران تھکاوٹ محسوس ہو اور وہ اپنے ساتھیوں سے نفع مند گفتگو کرنا چاہے یا مفید کتب پڑھنا چاہے بالخصوص وہ کتب جو اللہ تعالیٰ کے کرم وعنایات اور اس کے عظیم عطیات کے متعلقہ ہوں تاکہ اس کا دل امیدِ رحمتِ الٰہی کی جانب مضبوط ہو جائے تو اس کے لیے ایسا کرنا بہتر ہے۔ بعدازاں وہ دوبارہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں اور التجاؤں میں مصروف ہو جائے۔ اور دن کے آخری حصے میں دعا کرنا غنیمت جانے کیونکہ بہترین دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے۔

عرفات کے میدان میں کھڑے ہو کر دعائیں کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اس قدر دعا کا اہتمام فرمایا کہ سورج غروب ہو گیا۔

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٢١٨)

مزدلفہ کے میدان کی طرف روانگی:

مُحرِم ۹ ذوالحجہ کو غروبِ آفتاب کے وقت میدانِ عرفات سے مزدلفہ کے میدان کی طرف روانہ ہوگا۔ مزدلفہ پہنچ کر وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی قصر کر کے پڑھے گا۔ (صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٦٧٣، صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٤١٨)

اگر مُحرِم آدمی عشائے آخر، یعنی نمازِ عشاء سے پہلے مزدلفہ پہنچ جاتا ہے تو وہ اس نماز کو اپنے وقت میں پڑھے اور اگر تھکاوٹ یا عدمِ پانی کی وجہ سے نمازیں جمع کرنا چاہے تو کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ عشاء کا وقت نہ بھی ہوا ہو۔

اگر مُحرِم کو یہ خدشہ ہو کہ وہ آدھی رات کے بعد مزدلفہ پہنچے گا تو وہ مزدلفہ پہنچنے سے قبل نماز پڑھ سکتا ہے۔ آدھی رات کے بعد تک نماز مؤخر کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ مُحرِم رات مزدلفہ گزارے گا۔ جب فجر صادق کا وقت ہوگا تو جلدی اٹھ کر اوّل وقت میں اذان

واقامت کے ساتھ نمازِ فجر ادا کرے گا۔

(صحيح مسلم، رقم الحديث : ۱۲۱۸)

۱۰ ذوالحجہ کو ''مشعر الحرام'' میں:

نماز کی ادائیگی کے بعد مُحرِم ''مشعر الحرام'' (پہاڑی کا نام) کا رخ کرے۔ اگر اس کے لیے آسانی ہو تو وہاں رب کی توحید کے کلمات، تکبیرات اور پسندیدہ ذکر ودعا میں مشغول ہوجائے حتی کہ صبح کی روشنی خوب پھیل جائے۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث : ۱۲۱۸)

اگر مُحرِم کے لیے ''مشعر الحرام'' آنا آسان نہ ہو تو وہ اپنی جگہ قبلے کی جانب منہ کرکے اور ہاتھوں کو بلند کرکے ذکرِ الٰہی اور دعائیں کرتا ہے۔ (صحيح مسلم ، رقم الحديث : ۱۲۱۸، صحيح ابن خزيمه، رقم الحديث : ۲۸۵۸)

۱۰ ذوالحجہ کو میدانِ منیٰ میں:

۱۰ ذوالحجہ کو جب اچھی طرح روشنی پھیل جائے تو حاجی طلوعِ شمس سے پہلے پہلے منیٰ روانہ ہوجائے۔ منیٰ جاتے ہوئے جب وہ وادی محسّر سے گزرے گا تو جلدی جلدی وہاں سے گزر جائے۔

(صحيح مسلم، رقم الحديث : ۱۲۱۸)

۱۰ ذوالحجہ کے اعمال:

۱: رمی (یعنی کنکریاں مارنا): جب حاجی منیٰ پہنچے تو سب سے پہلے جمرہ عقبہ (آخری جمرہ جو مکہ کی جانب ہے) کو چنے کے برابر سات کنکریاں یکے بعد دیگرے مارے۔ ہر کنکری مارتے وقت ''اللہ اکبر'' پڑھے اور وہ جہاں سے چاہے کنکری پھینک سکتا ہے۔ (صحيح بخاری ، رقم الحديث : ۱۷۴۹، صحيح مسلم ، رقم الحديث : ۱۲۹۶)

۲: قربانی کرنا: جب حاجی کنکری مارنے سے فارغ ہوجائے تو وہ اپنی قربانی ذبح کرے۔

۳: بال منڈوانا: قربانی کرنے کے بعد مرد کو چاہیے کہ اپنے سر کے بال منڈوالے اور اگر عورت ہے تو اپنے بال جمع کرکے چوٹی سے انگلی بھر کاٹ لے۔ وہ بال نہیں منڈوائے گی۔

۴: طوافِ اِفاضہ: دس ذوالحجہ کا ایک عمل طوافِ اِفاضہ یا طوافِ زیارت بھی ہے۔ حاجی کو چاہیے وہ مکہ آئے اور حج کے لیے طواف اور سعی کرے۔ کنکریاں مارنے اور بال منڈوانے کے بعد حاجی جب طواف کے لیے مکہ آنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے خوش بُو لگانا سنت ہے۔

واضح رہے کہ نحر کے دن حاجی پہلے جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارے گا، پھر نحر (قربانی) کرے گا، پھر بال منڈوائے یا کتروائے گا، بعدازاں طواف وسعی کرے گا، تاہم ان اعمال میں اگر تقدیم وتاخیر ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحيح بخاري، رقم الحديث : ۱۷۲۲، ۱۷۳۷، صحيح مسلم، رقم الحديث : ۱۳۰۶)

اگر حاجی طوافِ افاضہ مؤخر کردے اور وطن واپسی پر طواف کرے تو یہ طواف طوافِ وداع سے کفایت کر جائے گا۔ (ملاحظہ ہو: فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمية: ۱۱/ ۳۰۰، ۳۰۱ رقم الفتویٰ: ۷۱۴۱، نیز دیکھیں: فتاویٰ تتعلق بأحكام الحج والعمرة، ص: ۱۶۰ للشيخ ابن باز رحمہ اللہ)

ایامِ تشریق ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ:

طواف اور سعی سے فارغ ہوکر حاجی منیٰ واپس آجائے۔ وہاں ۱۱، ۱۲، ۱۳ کی راتیں گزارے گا اور ان ایام میں تینوں جمرات کی زوالِ شمس کے بعد رمی (کنکریاں مارنا) کرے گا۔ افضل یہ ہے کہ حاجی پیدل کنکریاں مارے، اگر وہ سوار ہوجائے تو کوئی حرج نہیں۔

جمرات کی تفصیل:

ا۔ جمرۂ اولیٰ: ...... (یہ جمرہ مسجد خیف کے قریب ہے۔) حاجی اس جمرہ کو سات کنکریاں یکے بعد دیگرے مارے گا، ہر کنکری کے ساتھ ''اللہ اکبر'' پڑھے گا، پھر تھوڑا سا آگے بڑھ جائے اور قبلہ رو ہوکر ہاتھ بلند کرے اور لمبی دعا کرے۔ اگر زیادہ دیر ٹھہرنا اور دعا کرنا اس پر مشکل ہو تو جتنی آسانی سے دعا کرنا چاہے دعا کرے تاکہ سنت کو پالے۔

ب۔ جمرۂ وسطیٰ: ...... پھر حاجی جمرہ وسطیٰ کو یکے بعد دیگرے

سات کنکریاں مارے۔ ہر کنکری کے ساتھ ''اللہ اکبر'' پڑھے، پھر بائیں جانب ہٹ جائے اور قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر تا دیر دعا کرتا رہے۔

ج۔ **جمرۂ عقبہ**: ...... پھر جمرۂ عقبہ (جو مکہ کی جانب ہے) کے قریب ہو اور اسے یکے بعد دیگرے سارے کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کہے۔ ساتویں کنکری مار کر اس جگہ سے پھر جائے اور یہاں دعا نہ کرے۔ (صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٧٥١)

جب حاجی عید کے دوسرے دن جمرات کی رمی مکمل کر لے تو اگر وہ جلدی کرنا چاہے تو منیٰ سے کوچ کر سکتا ہے اور اگر تاخیر کرنا چاہے تو وہاں ۱۳ کی رات بسر کرے اور زوال کے بعد تینوں جمرات کی بالترتیب رمی کرے۔ (سورة البقرة، رقم الآية: ٢٠٣، أبو داود، رقم الحديث: ١٩٤٧، ابن ماجه، رقم الحديث: ٢٠١٥ صححه الألباني)

تیسرے دن کے لیے رکنا افضل ہے لیکن یہ واجب نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: كتاب المجموع: ٨/ ١٨٢ ومناسك الحج والعمرة للألباني، ص: ٣٨.)

ہاں، اگر بارھویں دن سورج غروب ہو جائے اور حاجی منیٰ میں ہی ہے تو اس کے لیے تیسری رات منیٰ میں ٹھہرنا افضل ہے حتی کہ وہ زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کر کے کوچ کرے گا۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی فتویٰ ہے۔ (دیکھیں: موطأ إمام: ١/ ٤٠٧، البيهقي: ٥/ ١٥٢ قال عبدالقادر الأرنؤوط: إسناده صحيح، جامع الأصول: ٣/ ٢٨٢)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (دیکھیں: أحكام مناسك الحج والعمرة، ص: ١٨٢)

طوافِ وداع:

جب حاجی اپنے وطن واپس جانے کا ارادہ کرے اور مکہ مکرمہ چھوڑنے لگے تو وہ طوافِ وداع (الوداعی طواف) کیے بغیر نہ نکلے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((لا ينفرن أحد حتى يكون آخر عهده بالبيت.)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٧٥٥، صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٣٢٨ واللفظ لمسلم)

''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک کوچ نہ کرے حتی کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے ساتھ ہو (یعنی وہ طواف وداع کرے۔)''

واجباتِ احرام:

حج وعمرے کا احرام باندھنے والے محرم پر درج ذیل چیزیں واجب ہیں:

۱......: اللہ عزوجل نے اپنے بندے پر جو دین اسلام کے شرعی احکامات واجب کیے ہیں مُحرِم کے لیے ضروری ہے کہ ان کا التزام کرے، جیسے: نماز با جماعت اپنے وقت پر ادا کرنا وغیرہ۔

۲......: فضول گفتگو، فسق وفجور اور نافرمانی کی باتیں جو اللہ تعالیٰ نے منع کی ہیں، محرم ان سے اجتناب کرے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ [البقرة: ١٩٧]

''جو شخص ان (مہینوں) میں حج لازم کر لے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے سے بچتا رہے۔''

۳......: مناسکِ حج کی ادائیگی کے دوران قول وفعل سے کسی بھی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ دے۔

ممنوعاتِ احرام:

جس شخص نے حج یا عمرے کا احرام باندھ لیا ہو وہ درج ذیل امور سے اجتناب کرے:

۱......: مُحرِم اپنے بال وناخن نہ کاٹے۔ ہاں، اگر کوئی کانٹا چبھ جائے تو اس کو نکالنے میں کوئی حرج نہیں، خواہ اس کے نکالنے سے خون کیوں نہ نکل آئے۔

۲......: احرام کے بعد اپنے بدن، کپڑوں اور کھانے یا پینے کے برتنوں میں خوش بُو نہ لگائے اور خوش بُو دار صابن بھی نہ استعمال کرے۔ ہاں، اگر احرام کے وقت لگائی ہوئی خوش بُو کے اثرات باقی رہ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۳......: خشکی کا شکار نہ کرے۔

۴......: اپنی زوجہ سے جماع نہ کرے۔

۵......: بیوی سے شہوانی گفتگو، لمس اور بوس وکنار نہ کرے۔

۶......: نکاح ومنگنی نہ کرے اور نہ کسی کی کروائے۔

۷......: خاتون دستانے نہ پہنے۔ ہاں، ہاتھوں کو کسی کپڑے سے لپیٹنے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ سات قسم کے ممنوعات مرد وعورت دونوں کو شامل ہیں۔

درج ذیل ممنوعات صرف مرد حضرات کے لیے ہیں:

۱......: سر کو چمٹنے والی کسی بھی چیز سے نہ ڈھانپے۔ باقی رہا چھتری کا استعمال کرنا، گاڑی اور خیمے کے سائے میں بیٹھنا اور سر پر وزن اٹھانا تو ان میں کوئی حرج نہیں۔

۲......: قمیص، اوور کوٹ، ٹوپی، شلوار، موزے پہننا اور عمامہ باندھنا منع ہیں۔ ہاں، اگر مُحرِم تہ بند نہ پائے تو شلوار پہن سکتا ہے اور اسی طرح جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے۔

۳......: گزشتہ اشیاء کے مثل کوئی چیز نہ پہنے، مثلاً: گاؤن، جبہ، ٹوپی، فلانیل وغیرہ۔

مباحاتِ احرام:

۱......: جوتا اور انگوٹھی پہننا اور عینک استعمال کرنا جائز ہے۔

۲......: اسی طرح کلائی پر گھڑی باندھنا یا گلے میں لٹکانا، سامان کی حفاظت کے لیے پیٹی یا پٹکا باندھنا جائز ہے۔

۳......: بہ وقتِ ضرورت غسل کرنا، صفائی کرنا اور سر یا بدن کھجانا جائز ہے۔ ہاں، اگر سر کھجاتے وقت یا غسل کرتے وقت بغیر کسی قصد کے بال گر جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

نوٹ: خاتون نقاب یا برقع نہیں پہنے گی۔ مسنون یہ ہے کہ وہ اپنا چہرہ کھلا رکھے۔ ہاں، اگر اجنبی مرد سے اس کا آمنا سامنا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اپنا چہرہ چھپالے، جیسا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفرِ حج پر تھیں۔ جب اجنبی آدمی قریب آتے تو ہم چادر اپنے چہروں پر ڈال لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو کپڑا اوپر اٹھالیتیں۔'' (أبو داود، رقم الحديث: ۱۸۳۳، ابن ماجه، رقم الحديث: ۲۹۳۵)

اس حدیث کی سند اگرچہ یزید بن ابی زیاد کوفی کی وجہ سے ضعیف ہے مگر دوسرے آثار سے ثابت ہے کہ عورت حالت احرام میں بھی غیر مردوں سے پردہ کرے گی جیسا کہ سیّدہ فاطمہ بنت منذر فرماتی ہیں:

''سیّدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہم مل کر حج کرتیں تو حالت احرام میں غیر مردوں سے چہرے کا پردہ کرتی تھیں۔'' (موطأ إمام مالك: ۱/ ۳۲۸، الحاكم: ۱/ ۴۵۴، قال: صحيح على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي، صححه أيضاً الألباني في الإرواء: ۱۰۲۳)

نوٹ: جو شخص ان مذکورہ محظورات کو بھول کر یا ناسمجھی یا مجبوری پر ان کا ارتکاب کرلے تو اس پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ہی فدیہ ہے۔ اعمالِ حج میں احرام کی حالت میں کسی ممنوع چیز کے ارتکاب کرنے پر ایک جانور کی قربانی کرنا، چھ مساکین کو کھانا کھلانا یا تین روزے رکھنا فدیہ کہلاتا ہے۔

زیارت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

یاد رہے! مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حج وعمرے کا حصہ نہیں لیکن جو شخص زیارت کرنا چاہے اسے درج ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیے:

۱......: حاجی کو چاہیے کہ حج سے پہلے یا بعد جب بھی موقع ملے تو مدینہ منورہ کی طرف مسجد نبوی کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر کرے کیونکہ اس میں ایک نماز پڑھنا باقی مساجد کی بہ نسبت ایک ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام (بیت اللہ) کے، وہاں ایک لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ (صحیح مسلم،

رقم الحدیث : ۱۳۹۴، مسند أحمد : ۳/ ۳۴۳، ۳۹۷، ابن ماجه: ۱۴۰۶ صححه الألباني في الإرواء: ۱۱۲۹)

۲......: جب مسجد نبوی میں داخل ہوں تو اس میں تحیۃ المسجد کی دو رکعت ادا کرے یا پھر فرض نماز پڑھے اگر وہ کھڑی ہوچکی ہو۔

۳......: نماز کی ادائیگی کے بعد اگر وہ نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کا رخ کرے اور اس کے آگے کھڑے ہوکر رسول اللہ ﷺ پر ان الفاظ سے صلاۃ وسلام پڑھے:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَجَزَاكَ عَنْ أُمَّتِكَ خَيْرًا ."

۴......: پھر اپنی دائیں جانب ایک قدم یا دو قدم پھر کر سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے آکر ان الفاظ سے ان پر سلام بھیجے:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ خَلِيفَةَ رَسُولِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ وَجَزَاكَ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ خَيْرًا ."

۵......: بعد ازاں پھر اپنی دائیں طرف ایک قدم یا دو قدم پھر کر سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے کھڑے ہوکر ان الفاظ سے ان پر سلام پیش کرے:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرَ، أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ وَجَزَاكَ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ خَيْرًا ."

۵......: اس کے بعد وہ بقیع الغرقد (قبرستان) کی طرف نکل جائے۔ وہاں پہنچ کر سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے کھڑے ہوکر ان پر ان الفاظ سے سلام کہے:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُثْمَانُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ وَجَزَاكَ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ خَيْرًا ."

بعد ازاں بقیع الغرقد میں مدفون میں باقی مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ اہل بقیع الغرقد کے لیے وہی دعائیں پڑھے جو عام قبرستانوں میں جا کر پڑھی جاتی ہیں، مثلاً:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ، أَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ ." (صحيح مسلم، رقم الحديث: ۹۷۴، ۹۷۵)

۶......: جبلِ اُحد کی طرف جا کر سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر ساتھی شہدائے اُحد کی قبروں کے سامنے کھڑے ہوکر ان پر سلام کرے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت، رحمت اور رضامندی کی دعائیں کرے۔

۷......: فرصت کے لمحات میں مسجد قباء کی طرف بھی جائے اور وہاں با وضو ہوکر دو رکعت نماز ادا کرے۔ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ پیدل اور کبھی سوار ہوکر مسجد قباء جاتے اور وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (صحيح مسلم: ۱۳۹۹)

نیز مسجد قباء میں نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ ادا کرنے کے برابر ہے۔ (ترمذي، رقم الحديث : ۳۲۴، ابن ماجه، رقم الحديث : ۱۴۱۱، نسائي: ۶۹۹، صححه الألباني في صحيح الترمذي وصحيح النسائي وصحيح ابن ماجه)

والله الموفق وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين .



شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ خان المدنی حفظہ اللہ کا نیا ایڈریس

مفتی جماعت اہل حدیث حضرت مولانا شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ خان المدنی حفظہ اللہ کا سابقہ پتا 17 فروٹ مارکیٹ کوٹ لکھپت لاہور تبدیل ہوگیا ہے۔ احباب نیا ایڈریس نوٹ فرمالیں۔

حافظ ثناء اللہ خان المدنی، 476 سی بلاک
پاک عرب کالونی، فیروز پور روڈ، لاہور
فون رابطہ: 0334-9780630+4023670

احکام ومسائل

قربانی کے مختصر احکام ومسائل

مولانا عزیر احمد کتاب اللہ سلفی

چونکہ دینِ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان کوخوشی کے ایام، مسرت کے اوقات اور شادمانی کے لمحات میسر ہوں جن میں وہ سرور وانبساط، مسرت وشادمانی، اخوت ومحبت، اتحاد ومساوات اور وحدت واجتماعیت کا مظاہرہ کرسکیں، اسی تقاضے کوملحوظ رکھتے ہوئے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے لیے دو دن خوشی کے عنایت فرمائے ہیں لیکن شریعتِ اسلامیہ نے ان خوشی کے ایام میں بھی کچھ ایسے اصول وضوابط، آداب وشرائط، حدود وقیود اور احکام ومسائل متعین کیے ہیں جن کا لحاظ رکھنا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، اس لیے ہمیں خوشی ومسرت کے اظہار میں کسی ایسے عمل کے ارتکاب سے اجتناب کرنا چاہیے جو روحِ شریعت کے خلاف اور جس سے عید کے تقدس وشان کوٹھیس پہنچتی ہو۔ زیر مطالعہ مضمون میں قربانی کے مختصر احکام ومسائل کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

قربانی کا حکم:

قربانی کے وجوب اور سنت ہونے کے بارے میں علمائے امت کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ بعض علماء نے آیت کریمہ

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [کوثر: ۲]

''اے نبی ﷺ! آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔''

اور حدیث ہے:

((من وجد سعة لأن يضحي فلم يضح فلا يحضر مصلانا.)) (صحيح الترغيب والترهيب از علامه ناصر الدين البانی: ۱/ ۱۷۹)

''جو آدمی قربانی کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، پھر وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔''

اس کی بنیاد پر قربانی کی ادائیگی ہر صاحبِ استطاعت اور خوش حال مسلمان پر واجب وفرض قرار دیا ہے۔ لیکن جمہور علماء قربانی کے سلسلے میں سنت مؤکدہ کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کے طرزِ عمل سے یہی ثابت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسے کبھی بھی ترک نہیں کیا بلکہ پوری زندگی قربانی انجام دیتے رہے، چنانچہ سنن ترمذی کی روایت ہے:

"أقام رسول الله ﷺ بالمدينة عشر سنين يضحي." (سنن الترمذي مع تحفة الأحوذي: ٤/ ٧٤)

''نبی ﷺ دس سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور قربانی ادا کرتے رہے۔''

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے قربانی کی شرعی حیثیت کے بارے میں دریافت کیا گیا: کیا یہ واجب ہے؟ انھوں نے جواباً عرض کیا:

"ضحى رسول الله ﷺ والمسلمون، فأعادها عليه، فقال: أتعقل؟ ضحى رسول الله ﷺ والمسلمون." (سنن الترمذي مع تحفة الأحوذي: ٤/ ٧٨،٧٧)

''رسول اللہ ﷺ اور مسلمان قربانی ادا کرتے تھے۔ اس نے اپنا سوال دہرایا تو انھوں نے کہا: کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ اللہ کے رسول اور مسلمان قربانی کرتے تھے۔''

گو اس امر میں علماء کے اندر اختلاف ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ مگر اس میں شک وشبہ نہیں کہ قربانی کی بڑی تاکید آئی ہے اور استطاعت کے باوجود قربانی سے گریز کرنا خلافِ شرع

اور بڑی مذموم بات ہے۔

قربانی کی فضیلت:

قربانی کی اہمیت وفضیلت کے متعلق متعدد احادیث عوام الناس میں معروف ومشہور ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک حدیث بھی صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی۔ جو بھی روایات اس بارے میں وارد ہیں ان میں سے کچھ تو بہت زیادہ ضعیف ہیں، کچھ منکر، کچھ بے اصل اور بعض موضوع ومن گھڑت، اسی وجہ سے سنن ترمذی کے مشہور شارح علامہ عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تالیف ''تحفۃ الاحوذی'' میں علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''قربانی کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔'' (تحفة الأحوذي: ۵/ ۶۰، مطبوعہ دار العلمیۃ، بیروت، لبنان)

تاہم درج ذیل چند دینی ودنیوی فوائد وثمرات رقم کیے جا رہے ہیں جو قربانی کرنے سے حاصل ہوتے ہیں:

۱: قربانی خوفِ الٰہی اور خشیت خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ [الحج: ۳۷]

''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ اسے تمھارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔''

۲: قربانی تقرب خداوندی کا ایک کامیاب وسیلہ ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo لَا شَرِيْكَ لَهٗ﴾ [الأنعام: ۱۶۳،۱۶۲]

''کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی اور میرا مرنا اور جینا اس اللہ کے لیے ہے جو دونوں جہاں کا پالنے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔''

۳: قربانی دراصل سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جذبۂ ایثار وفدائیت، خلوص وللّٰہیت، صدق وصفا، تسلیم ورضا کی عظیم یادگار اور ان کی سنت کی تجدید واحیاء کا ایک اہم معاہدہ ہے۔

۴: قربانی ایک ایسی اہم عبادت ہے جو انسان کے اپنے خالق حقیقی کے ساتھ صحیح تعلق کا آئینہ دار ہے۔

۵: قربانی اللہ سے سچی محبت کرنے والے بندے کی صحیح علامت ونشانی ہے۔

۶: قربانی اللہ تعالیٰ سے حقیقی محبت اور اس کی رضا کے سامنے ہر چیز کو حقیر سمجھنے اور دنیا کی بڑی سے بڑی دولت کو ٹھکرا دینے کا رمز ہے۔

۷: قربانی اس عظیم بندگی کا نام ہے جس کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اور عظیم سے عظیم تر متاع ایک حقیر ذرے سے بھی کم تر ہے۔

۸: قربانی کے ذریعہ ایک مسلمان اپنے غریب ومحتاج بھائیوں کو عید کی خوشی میں شریک کرتا ہے، ان کے ساتھ احسان وسلوک کرتا ہے جس سے اسلامی اخوت وبھائی چارگی، صداقت وراست بازی اور استقامت وپامردی کو عروج حاصل ہوتا ہے۔

۹: قربانی ایک ایسا انقلاب آموز تہوار ہے جس میں سراسر خدا پرستی اور نفس کشی کی تعلیم دی گئی ہے۔

قربانی کا وقت:

قربانی ادا کرنے کا وقت نماز عید الاضحیٰ کے بعد شروع ہوتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من ذبح قبل الصلاة فإنما يذبح لنفسه ومن ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمين.)) (صحيح بخاري مع فتح الباري: ۱۰/ ۲۰)

''جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا تو اس نے اپنے کھانے پینے کے لیے ذبح کیا اور جس نے نماز عید کے بعد ذبح کیا تو اس نے اپنی قربانی پورطور پر ادا کی اور مسلمانوں کے طریقے کے مطابق عمل پیرا ہوا۔''

عہد نبوی میں ایک صحابی نے نماز عید الاضحیٰ سے قبل ہی قربانی کا جانور ذبح کر دیا جب نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

((من كان ذبح قبل الصلاة فليعد.))

(صحيح مسلم مع شرح النووي: ۱۳/ ۱۱۷)

''جس نے عید الاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو اسے دوبارہ قربانی دینی چاہیے۔''
لہٰذا اگر کسی نے نماز عید سے پہلے قربانی کے جانور کو ذبح کر دیا تو اسے دوبارہ قربانی کرنی ہوگی۔

قربانی کے ایام:

اس امر میں اختلاف ہے کہ قربانی کتنے دنوں تک کی جاسکتی ہے۔ صحیح مسلک یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ سے لے کر تیرھویں ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے تک قربانی کرنا جائز اور صحیح ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((كل أيام التشريق ذبح .))
(مسند إمام أحمد بن حنبل : ٤/ ٨٢)
''ایام تشریق کے سبھی دن ذبح کرنے کے دن ہیں۔''
نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:
"أيام النحر يوم الأضحى وثلاثة أيام بعده."
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المحلى لابن حزم: ٨/ ٤٥، مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ٩/ ٢٨٨)
''ذبح کے دن عید الاضحیٰ کا دن اور تین دن اس کے بعد کے ہیں۔''

قربانی کا جانور:

نصوص کتاب وسنت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل آٹھ قسم کے جانور کی قربانی مسنون ومشروع ہے: اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بکری اور نر ومادہ بھیڑ۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام کی دو آیات کے اندر ان مذکورہ آٹھ قسم کے جانوروں کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:
﴿مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ﴾ [الأنعام: ١٤٣]
''یعنی دنبہ میں دو قسم (نر ومادہ) اور بکری میں دو قسم (نر ومادہ)۔''
مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ [الأنعام: ١٤٣]
''اور اونٹ میں سے دو قسم (نر ومادہ) اور گائے میں سے دو قسم (نر ومادہ)۔''
اسی طرح آٹھ قسم کے جانور مکمل ہوجاتے ہیں۔ جہاں تک بھینس کی قربانی کا معاملہ ہے تو اس کی قربانی کا ذکر نہ تو قرآن میں ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں ہے۔ البتہ علمائے احناف نے بعض ضعیف احادیث کی بنیاد پر، نیز بھینس کو گائے کی جنس سے قرار دے کر اس کی قربانی کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن اس بارے میں درست بات یہ ہے کہ گائے اور بھینس کو ایک جنس سے قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس لیے اس کی قربانی سے اجتناب کرنا ہی مناسب اور زیادہ اولیٰ ہے۔

جانور کے اوصاف:

قربانی کے لیے جانور کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ جانور دانت والا، خوب صورت، تن درست، بے عیب اور اچھے قد وقامت والا ہو۔ قربانی کے جانور کے لیے دانتا ہونا ضروری ہے بغیر دانتا جانور کی قربانی سوائے دنبہ کے کسی جانور کی بھی صحیح نہیں ہے، چنانچہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:
((لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن .)) (صحيح مسلم مع النووي: ١٢٥/١٣)
''تم لوگ صرف دانت والے جانوروں کو ذبح کرو، اگر دانتا جانور نہ مل سکے تو ایک سال کی بھیڑ ذبح کرو۔''
قربانی کے جانور کا خوب صورت اور موٹا تازہ ہونا بھی مسنون ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
''رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے لیے ایک دنبہ لانے کا حکم دیا جو سینگ دار ہو اور پاؤں، سینہ اور آنکھ کے پاس کا حصہ سیاہ ہو، تاکہ دیکھنے میں خوب صورت نظر آئے۔''
(صحيح مسلم مع النووي: ١٣/ ١٢٥)
نیز سنن ابن ماجہ کے اندر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ضحى رسول الله ﷺ بكبش أقرن فحيل، يأكل في سواد ويمشي في سواد وينظر في سواد." (صحيح سنن ابن ماجه: ۲/ ۲۰)

''رسول اللہ ﷺ نے ایک سینگ دار نر مینڈھے کی قربانی ادا کی جس کے منہ، پیروں اور آنکھ کے گرد سیاہی تھی۔''

جانور کا بے عیب ہونا:

قربانی کے جانور کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام اعضاء صحیح سالم ہوں اور وہ درج ذیل عیوب سے پاک وصاف ہو:

① کانا یا اندھا نہ ہو۔ ② ایسا لنگڑا نہ ہو کہ جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔ ③ اس کے کان آگے یا پیچھے سے پھٹے نہ ہوں۔ ④ اس کے کان کٹے نہ ہوں۔ ⑤ اس کے سینگ ٹوٹے ہوئے نہ ہوں۔ ⑥ ایسا بیمار نہ ہو کہ اس کی بیماری عیاں ہو۔ ⑦ اتنا دبلا نہ ہو کہ اس کی ہڈیاں مغز سے خالی ہوں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا يضحى بالعرجاء بين ظلعها، ولا بالعوراء بين عورها، ولا بالمريضة بين مرضها ولا بالعجفاء التي لا تنقي.))

(صحيح سنن الترمذي: ۲/ ۸۸)

''اس جانور کی قربانی نہ کی جائے جو بہ ظاہر لنگڑا، کانا، مریض یا ایسا دبلا پتلا ہو جس کی ہڈی میں گودہ نہ ہو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أن لا نضحي بمقابلة ولا مدابة ولا شرقاء ولا خرقا.)) (سنن الترمذى مع تحفة الأحوذي: ٤/ ٧٣)

''ہم سب ایسی قربانی نہ کریں جس کا کان آگے یا پیچھے سے کٹا ہو یا لمبائی میں چرا ہو یا اس میں سوراخ ہو۔''

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک دوسری حدیث میں یوں وارد ہے:

"نهى رسول الله ﷺ أن يضحى بأعضب القرن." (سنن ابن ماجه: ۲/ ۱۰۵۱)

''آپ ﷺ نے ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہو۔''

قربانی کے جانور میں شرکت:

بکرا، بکری اور بھیڑ (نر و مادہ) گھر کے تمام افراد کی طرف سے ایک ہی کافی ہے اگرچہ افراد خانہ کثیر تعداد میں ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن ہشام فرماتے ہیں:

"كان رسول الله ﷺ يضحي بالشاة الواحدة عن جميع أهله." (صحيح سنن الترمذي: ۲/ ۸۹)

''آپ ﷺ اپنے گھر کے تمام افراد کی طرف سے ایک بکری قربانی کرتے تھے۔''

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں:

"كان الرجل في عهد رسول الله ﷺ يضحي بالشاة عنه وعن جميع أهل بيته."

(صحيح سنن الترمذي: ۲/ ۹۰)

''رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں ایک آدمی ایک بکری اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کرتا تھا۔''

البتہ بیل وگائے کی قربانی میں سات آدمی اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كنا مع رسول الله ﷺ في سفر، فحضر الأضحى فاشتركنا في البقرة سبعة وفي البعير عشرة." (صحيح سنن الترمذي: ۲/ ۸۹)

''ہم لوگ اللہ کے رسول کے ہمراہ سفر میں تھے کہ قربانی آ گئی، پس ہم میں سے سات سات آدمی ایک گائے میں اور دس دس آدمی ایک اونٹ میں شریک ہوئے۔''

جانور ذبح کرنے کا طریقہ:

متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا جانور ذبح کرتے

وقت حسبِ ذیل باتوں کا خیال مسنون ہے:

۱: قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہیے۔

۲: ذبح کرنے سے پہلے چھری تیز کر لینی چاہیے۔

۳: جانور کے کاندھے پر پاؤں رکھ کر ذبح کرنا چاہیے۔

۴: جانور کو قبلہ رخ اور بائیں کروٹ لٹا کر یہ دعا پڑھنی چاہیے:
"بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ." (مسند أحمد: ۲۷۵/۳)

۷: اس کے بعد جانور ذبح کیا جائے اور اگر قربانی اپنی طرف سے کرنی ہو تو یوں کہا جائے: "اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ." اور اگر دوسرے کی طرف سے قربانی کرنی ہو تو: "اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ." کہا جائے۔ (فتح الباري شرح صحيح بخاري: ۲۲/۱۰)

جانور ذبح کرنے کا مسنون طریقہ تو یہی ہے کہ آدمی خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے لیکن اگر کوئی عذر مانع ہو جس کی وجہ سے وہ خود نہیں کر سکتا تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے، البتہ ذبح کرتے وقت وہاں موجود رہنا افضل ہے۔ (مرعاة المفاتيح: ۷۶/۵)

جو لوگ قربانی کے جانور خود ذبح نہیں کرتے بلکہ قصاب وغیرہ سے ذبح کراتے ہیں تو ایسی صورت میں قصاب کو اجرت و مزدوری اپنے پاس سے دیں، جانور کے گوشت یا کھال کو بہ طور اجرت دینا جائز نہیں ہے۔ (صحيح مسلم مع النووی: ۷۱/۹)

قربانی کا گوشت:

قربانی کا گوشت آدمی خود کھائے، اہل وعیال کو کھلائے اور دوستوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں، غریبوں، مسکینوں اور سائلوں کو بھی دے، اللہ تعالیٰ قربانی کے گوشت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾ [الحج: ۲۸]

''پس تم خود اس میں سے کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔''

دوسری آیت میں فرماتا ہے:

﴿فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ﴾ [الحج: ۳۶]

''پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو اسے خود بھی کھاؤ اور مسکین سوال سے روکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔''

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں، ایک اپنے لیے، دوسرا ملاقاتیوں اور رشتہ داروں کے لیے اور تیسرا سائلین اور معاشرے کے ضرورت مند افراد کے لیے جس کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے تمھیں (پہلے) تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کر کے رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب تمھیں اجازت ہے کہ کھاؤ اور جو مناسب سمجھو ذخیرہ کرو۔''

دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ''پس کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔'' (صحيح بخاري مع الفتح: ۲۵/۱۰، صحيح مسلم مع شرح النووي: ۱۲۹/۱۲)

قربانی کی کھال:

قربانی کی کھال کی بابت علماء کا اتفاق ہے کہ اسے یا تو اپنے گھریلو استعمال میں لاؤ یا صدقہ کر دو، اسے فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

((استمتعوا بجلودها ولا تبيعوها.))

(مسند إمام أحمد بن حنبل: ۱۵/۴)

''قربانی کی کھالوں سے فائدہ اٹھاؤ اور اسے فروخت نہ کرو۔''

تاہم بعض علماء نے کھال کو خود بیچ کر اس کی قیمت فقراء پر تقسیم کرنے کی رخصت واجازت دی ہے۔ (مرعاة المفاتيح: ۳۶۹/۲)

حرفِ آخر:

یہ ہیں قربانی سے متعلق بعض ضروری احکام ومسائل جنھیں اختصار کے ساتھ نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن سب سے عظیم اور بڑی چیز جس کا قربانی اور دیگر عبادات میں خیال رکھنا ضروری ہے وہ ہے ''اخلاص''، اس لیے آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو خلوص وللّٰہیت کے ساتھ قربانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔



نزلہ، زکام، گلے کی خراش اور کھانسی!

Take NO Tension
Take Sualin
with TOOT SIYAH efficacy

ہمدرد

قربانی کے منتخب احکام و مسائل

مولانا حافظ شیخ عین الباری عالیاوی

ذبح کے اُصول:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے دو سینگ دار چتکبرے دنبے کی قربانی کی، میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے کاندھے پر قدم مبارک رکھ کر بسم اللہ اور اللہ اکبر فرما کر ذبح کیا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا کہ ایک چھری لاؤ اور اسے پتھر پر گھس کر تیز کرو، میں نے ویسا ہی کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری پکڑ لی اور دنبہ کو پکڑ کر لٹا دیا پھر ذبح کیا۔اس کے بعد فرمایا: ((بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ.)) (صحيح بخاري: ۸۸/۷، صحیح مسلم: ۳/ ۱۵۵۷)

مذکورہ حدیثوں سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں، جیسے:

ا: اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا۔

ب: چھری تیز کرنا۔ ج: جانور کو لٹانا۔

د: دعا پڑھنا۔ ھ: چھری چلانا یا ذبح کرنا۔

مذکورہ باتوں کا مفصل بیان درج ذیل ہے:

حسب طاقت اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا مناسب:

مذکورہ بالا بخاری و مسلم کی حدیث کے ساتھ ساتھ دیگر حدیثیں ثابت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے قربانی کرتے اور حتی الامکان دوسرے کسی کو دے کر قربانی نہیں کراتے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر بھی حسبِ استطاعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعمیل اور اپنے ہاتھ سے قربانی کرنے کی کوشش مناسب ہے۔

علامہ مظہر نے فرمایا:

''ہر ایک کو ہی اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا سنت ہے کیونکہ ذبح کرنا عبادت ہے اور اپنی عبادت خود کرنا افضل ہے اگرچہ یہ عبادت دوسرے کے توسط سے کرانا جائز ہے۔''

(مرقاة: ۲۶۰/۷۲)

تجربے سے دیکھا گیا ہے کہ اپنے ہاتھ سے قربانی کرنے کے نتیجے میں اور قربانی کرنے کے وقت قربان گاہ میں موجود رہنے کی بہ دولت اکثر بزدل آدمیوں کی بزدلی دور ہو کر ان کے دلوں میں شجاعت پیدا ہوئی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس ۶۳ جانور ذبح کرنے کے بعد ۳۷ جانور بہ توسط حضرت علی رضی اللہ عنہ ذبح کرائے تھے۔(صحیح مسلم: ۱/ ۳۹۹)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے کے ذریعے بھی قربانی کی جاسکتی ہے لیکن وہ افضل نہیں، بلکہ مجاہدین کے ہر سپاہی کو اپنے ہاتھ سے قربانی کر کے قدرے بہادر و دلیر ہونا مناسب ہے۔ اگر کوئی قادر ہوتے ہوئے بھی اپنے ہاتھ سے قربانی نہ کرے تو کم از کم قربانی کے وقت وہ گوشۂ خانہ میں بیٹھا نہ رہے بلکہ قربانی کے جانور کے قریب اسے کھڑا رہنا چاہیے۔

چھری سان دینے کا سبب اور اختیارِ احتیاط:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر جنس پر حُسنِ سلوک واجب کر دیا ہے، لہٰذا جب تم قتل کرو اس وقت اچھی طرح قتل کرو اور جس وقت تم ذبح کرو اس وقت احسن طریقے سے ذبح کرو، اور تمھارا ہر کوئی اپنی چھری کو سان دے لے اور ذبیحہ جانور کو

آرام پہنچائے۔'' (صحیح مسلم: ۳/ ۱۵۴۸، سنن نسائي: ۷/ ۲۶۰)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری سان دینے اور جانوروں سے اسے چھپائے رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تمھارا کوئی جب ذبح کرے، تب بہت جلدی ذبح کرے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲/ ۱۰۵۹)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک دفعہ ایک شخص کو ایک بکری لٹا کر چھری تیز کرتے دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم اسے متعدد موت دینا چاہتے ہو؟ لٹانے سے پہلے کیوں چھری کو تیز نہیں کیا؟'' (مستدرک حاکم: ٤/ ۲۳۱، امام حاکم نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، نیز دیکھیے التلخیص الحبیر: ٤/ ۱٤۳)

ذکر کردہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ جانور کو لٹانے سے پہلے اس کی نگاہ سے چھپا کر چھری کو خوب اچھی طرح تیز کر لینا چاہیے، حتی الامکان فوراً اسے ذبح کرنا ہوگا اور جس قدر کم سے کم تکلیف دے کر اسے ذبح کیا جاسکے اس کی حتی الوسع کوشش کرنی ہوگی، اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جانور کے رو بہ رو چھری کو تیز کرنا، اور ایک جانور کی موجودگی میں دوسرے جانور کو ذبح کرنا اور مذبح میں جانور کو کھینچ کھینچ کر لے جانا مناسب نہیں ہے۔''

(شرح مسلم: ۲/ ۱۵۲)

جانور کو لٹانے اور باندھنے کا طریقہ:

مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنبے کو لٹا کر ذبح کیا تھا۔ اس حدیث کی تشریح میں علامہ محمد اسماعیل امیر صنعانی نے فرمایا ہے:

''مذکورہ حدیث میں دلیل ہے کہ بکری اور دنبے وغیرہ کو لٹانا افضل اور کھڑا کر کے یا بٹھا کر ذبح کرنا نامناسب ہے کیونکہ یہی آسان صورت ہے۔ اور انھیں لٹانے کے سلسلہ میں تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ انھیں بائیں کروٹ پر لٹانا ہوگا تاکہ ذبح کرنے والا داہنے ہاتھ میں چھری اور بائیں ہاتھ سے جانور کے سر کو بہ سہولت پکڑ سکے۔''

(سبل السلام: ۲/ ۲۰۳، فتح العلام: ۲/ ۲۹۳)

جانور کو بائیں پہلو پر لٹا اس کا سر جنوب میں، دم شمال میں اور پاؤں مغرب کی جانب رہیں گے اور ذبح کرنے والا مشرق کی جانب کھڑا قبلہ رو ہو کر جانور کے دائیں کاندھے پر قدم رکھ کر کھڑے کھڑے قدرے جھک کر گلے پر چھری چلائے گا۔ اس حدیث سے اور دیگر حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اونٹ کے سوا، بیل، دنبہ، بھیڑ وغیرہ جانوروں کو لٹا کر ذبح کرنا ہوگا۔ لٹانے کے بعد اگر ان کے ہاتھ پاؤں باندھے نہ جائیں تو ان کے ہاتھ پیر کی حرکت سے ذبح کے کام میں شریک ہونے والے لوگ چوٹ کھا سکتے ہیں۔ اسی لیے ان کے پاؤں باندھنے کے سلسلے میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بیل و بکری کو لٹا کر ان کے دائیں پاؤں کو چھوڑ کر باقی تینوں پاؤں کو باندھنا پڑے گا۔'' (روضۃ الطالبین: ۳/ ۲۰۷)

جانور کے کاندھے پر قدم رکھنے کا بیان:

بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ لٹائے ہوئے جانور کے کاندھے پر پیر رکھ کر ذبح کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، لہٰذا ہر ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرے۔

ذبح کے وقت کون سا عضو کاٹنا ہوگا؟

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''گلے میں چار نالیاں ہیں: ① حلقوم یا تنفس کی نالی، ② مری یا غذا کی نالی جو حلقوم کے نیچے رہتی ہے، ③، ④ گردن کے پتے کے بیچ دو رگیں جو حلقوم کو گھیرے رہتی ہیں ان کو عربی میں ''ودجان'' کہتے ہیں، یہ ہوئیں جریان خون کی نالیاں۔ شوافع کی رائے میں مذکورہ چار نالیوں میں حلقوم ومری کا کٹنا ضروری ہے۔'' (روضۃ الطالبین: ۳/ ۲۰۲)

احناف کی رائے میں کسی تین کے کٹنے سے جانور حلال ہوگا،

مالکیوں کی رائے میں چاروں کا کٹنا شرط ہے۔ (ہدایۃ: ۴/۴۳۷)

پہلے مسلم شریف کی حدیث بیان کی گئی ہے کہ جانور کو آرام پہنچایا جائے، چنانچہ جانور کی چاروں نالیاں کاٹنا افضل ہے، چاروں کاٹنے سے اس کا تمام خون بہت جلد نکل جائے گا۔ حاصل یہ کہ حتی الامکان اسے آرام پہنچانا ہوگا۔ اگر جانور قابو کے اندر ہو تو بیان کردہ اصول کے مطابق ذبح ہوگا۔ لیکن جانور اگر ذبح کے وقت رسی توڑ کر بھاگے اور ذبح کرنے والے کے قابو سے باہر چلا جائے تو ایسی صورت میں اس کے گلے پر چھری چلانا ممکن نہیں۔ اسی لیے اس صورت کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''ایسی حالت میں تم اگر اس کی ران میں برچھا مارو تو یہی کافی ہے۔'' (أبو داود: ۵/ ۲۸۲، نسائي: ۲/ ۲۰۷، ابن ماجه، رقم الحديث: ۳۱۴۸، أحمد: ۴/ ۴۳۴)

اس حدیث کی بنیاد پر تمام علماء کہتے ہیں کہ بے بس جانور کی ران یا کسی بھی جگہ اسے ضرب لگا کر گھائل کرنا کافی ہوگا۔

قصاب کی مزدوری اپنے پاس سے دینا ہوگی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ قربانی کی کسی بھی چیز سے میں قصاب کو مزدوری نہ دوں، انھوں نے فرمایا کہ اس لیے ہم لوگ اپنے ہی پاس سے اسے دیتے تھے۔'' (صحيح مسلم: ۲/ ۹۵۴، مسند أحمد: ۱/ ۱۵۴، ابن خزيمه: ۴/ ۲۹۵)

یعنی قربانی کا گوشت، چمڑا یا کوئی اور چیز قصاب کو مزدوی میں نہ دے، علیحدہ طور پر اس کی قیمت دینا پڑے گی۔ ہاں، اگر اسے بہ طور تحفہ کچھ گوشت کھانے کو دیا جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔

قربانی کے دن کب کھانا سنت ہے؟

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ عید الفطر کے دن کچھ کھا کر نکلتے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے تک کچھ نہ کھاتے۔

(مشکاۃ، ص:۱۲۶)

مذکورہ بالا حدیث کی رو سے اہل حدیث کا فتویٰ یہ ہے کہ نماز عید الاضحیٰ کے بعد کھانا مناسب اور حسبِ استطاعت حضور ﷺ کی سنت کی تعمیل ضروری ہے۔

بقیہ: عشرۂ ذوالحجہ کے فضائل واعمال

❀......ان دنوں میں تمام اہم عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”والذي يظهر أن السبب في امتياز عشر ذي الحجة لمكان اجتماع أمهات العبادة فيه وهي الصلاة والصوم والصدقة والحج ولا يتأتى ذلك في غيره.“ (فتح الباري)

”عشرہ ذوالحجہ کی امتیازی فضیلت کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں میں تمام بنیادی عبادتیں، یعنی نماز، روزہ، صدقہ اور حج جمع ہو جاتی ہیں جو دیگر مناسبتوں میں جمع نہیں ہوتیں۔“

❀......کثرت سے لا إله إلا الله، الحمد لله اور الله أكبر کہنا۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما من أيام أعظم عند الله ولا أحب إليه من العمل فيهن من هذه الأيام العشر، فأكثروا فيهن من التهليل والتكبير والتحميد.)) (مسند أحمد)

”کوئی دن بارگاہِ الٰہی میں ان دس دنوں سے عظمت والا نہیں اور نہ کسی دن کا اچھا عمل اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں کے عمل سے محبوب ہے، لہٰذا تم ان دنوں میں کثرت سے لا إله إلا الله، الحمد لله اور الله أكبر کہا کرو۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ان دنوں تکبیرات پکارتے ہوئے بازار میں نکل جاتے اور لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیریں پڑھنا شروع کر دیتے۔ ان دنوں میں بہ آواز بلند تکبیریں پڑھنا مستحب ہے، خصوصاً یومِ عرفہ کی فجر سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی عصر تک ہر نماز کے بعد جہراً تکبیرات پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ان پانچ دنوں میں فرائض کے بعد تکبیرات پڑھنا متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ (إرواء الغليل)

❀......**یومِ عرفہ کا روزہ:** ان ایام کا دوسرا بڑا عمل یوم عرفہ کا روزہ رکھنا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يكفر السنة الماضية والباقية.)) (مسلم)

”اس روزے سے ایک گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

❀......**قربانی:** ان ایام کا تیسرا بڑا عمل قربانی ہے۔ قربانی کرنا اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال عمل فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((أقام رسول الله ﷺ بالمدينة عشر سنين يضحي كل سنة.)) (ترمذي)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور ہر سال قربانی فرماتے رہے۔“

اور جو شخص مالی استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے اسے مسلمانوں کی عیدگاہ میں بھی نہیں آنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا.)) (ابن ماجه)

”جس شخص کے پاس وسعت ہو لیکن پھر بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔“